قرآنِ مجید کے ساتھ ایمان و عمل کے تعلق کی مضبوطی کا بیان

انسان اور قرآن

حافظ مبشر حسین حفظہ اللہ

قرآنِ مجید کے ساتھ ایمان و عمل کے تعلق کی مضبوطی کا بیان

حافظ مُبشّر حسینؒ حفظہ اللہ

اریب پبلیکیشنز

1542، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۔۲

فون: 23284740/23282550 فیکس: 23267510

نام کتاب	:	انسان اور قرآن
مولف	:	حافظ مبشر حسین
ناشر	:	اریب پبلیکیشنز
صفحات	:	184
سن اشاعت	:	2012
قیمت	:	

INSAN AUR QUR'AN

Hafiz Mubashshar Husain

ناشر

اریب پبلیکیشنز

1542، پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی۔۲

فون: 23284740، 23282550، 43549461

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

ایمان کے چھ بنیادی اجزاء میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ کی نازل کردہ اِلہامی کتابوں پر ایمان لایا جائے کہ وہ سب مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰه سچی کتابیں تھیں اور قرآن مجید ان میں سے آخری الہامی کتاب ہے۔ باقی اِلہامی کتابوں کے مقابلہ میں یہی ایک کتاب اپنی اَصل شکل میں محفوظ ہے۔ اس لیے کہ ہدایت و رہنمائی کے لیے آخری پیغمبرؐ پر نازل ہونے والی یہی کتاب اَب حرفِ آخر اور معیارِ نجات کی حیثیت رکھتی ہے۔

قرآن مجید رہتی دنیا تک تمام انسانوں کے لیے کتابِ ہدایت ہے۔ جب تک اسے کتابِ ہدایت سمجھتے ہوئے پڑھا جاتا اور اس میں دی گئی ہدایات پر عمل کیا جاتا رہے گا، تب تک اس کی برکتوں اور رحمتوں کا نزول ہوتا رہے گا اور وہ فرد اور معاشرہ ہمیشہ عزت پائے گا جو کتابِ ہدایت کی حیثیت سے اسے حرزِ جان بنا لے گا اور جو اس سے بے رُخی کرے گا، اللہ تعالیٰ بھی اس سے اِعراض کرتے ہوئے اسے ذلیل و رسوا کر چھوڑے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی اس آخری کتاب کے بارے یقیناً سچ فرمایا ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِيْنَ))[مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین (ح۸۱۷)]

''اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعے بعض لوگوں کو بلندی عطا کرتے ہیں اور بعض کو ذلت اور پستی میں دھکیل دیتے ہیں۔''

نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان ہونے کے باوجود قرآن پر عمل ہماری زندگیوں سے غائب ہے۔ ہم نے قرآن مجید کو محض دم درود، تعویذ گنڈے اور ایصالِ ثواب کی کتاب سمجھ رکھا ہے جبکہ انفرادی و اجتماعی زندگی میں وہ تبدیلی جس کا قرآن مجید اصلاً مطالبہ کرتا ہے، پیدا کرنے کے لیے ہم تیار نہیں......!

زیرنظر کتاب میں نہایت عام فہم مگر مستند دلائل کی روشنی میں قرآن مجید کے ساتھ ایمان و عمل کے اسی تعلق کی مضبوطی کے پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ کرے یہ کوشش کامیاب ہو اور بے عمل مسلمانوں کو قرآن کے قریب لانے کا ایک ذریعہ بن جائے۔ آمین یا رب العالمین! (حافظ مبشر حسین)

......☆......

صاحبِ تصنیف .....ایک نظر میں

نام : حافظ مبشر حسین

تاریخ پیدائش: 21-01-1978[لاہور]

دینی تعلیم: [دیوبندی، بریلوی اور اہلحدیث تینوں مکتبِ فکر کے علماء و مدارس سے استفادہ]

1989-90 حفظ القرآن

1991-92 تجوید و قرأت، ترجمہ قرآن، عربی گرائمر

1992-99 درس نظامی + وفاق المدارس[الشهادة العالمية] ممتاز درجہ میں

عصری تعلیم:

1996 میٹرک [فرسٹ ڈویژن، لاہور بورڈ]

1999 ایف۔اے [فرسٹ ڈویژن، لاہور بورڈ]

2001 بی۔اے [اے گریڈ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور]

2004 ایم۔اے: اسلامیات [اے گریڈ، پنجاب یونیورسٹی]

2004 پی ایچ ڈی [فقہ اسلامی، پنجاب یونیورسٹی، زیر تکمیل]

تدریسی وتحقیقی ذمہ داریاں:

1999-2000 جامعه الدعوة الاسلامية مریدکے، لاہور

2000 جامعه الدراسات الاسلامية ، کراچی

2001-2004 اسلامك ریسرچ کونسل ،ماهنامه محدث، لاہور

2004-2005 پریسٹن یونیورسٹی، لاہور کیمپس

تصنیف وتالیف:

1- تقریباً 50 تحقیقی مضامین [فکر و نظر، دعوۃ، محدث، ترجمان القرآن، ایشیا وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں]

2- 20 کتابیں شائع ہو چکی ہیں [مزید زیر طبع و زیر تالیف ہیں]

3- نیز مختلف کتابوں کے تراجم و حواشی تخریج و تحقیق وغیرہ۔

4- مختلف دینی رسائل و جرائد سے قلمی تعاون، علمی و ادارتی مشاورت۔

آئینہ کتاب

باب ۱:

قرآن مجید پر ایمان

قرآن مجید پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ

* یہ اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ہے،
* اسے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے کتابِ ہدایت بنا کر نازل فرمایا ہے،
* یہ آخری اِلہامی کتاب ہے،
* اس کے بعد اب کوئی اور اِلہامی کتاب نازل نہیں ہو گی،
* اسے قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے،
* اس کی حفاظت کا انتظام خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔

............*......*

[1]..... اللہ کی نازل کردہ سچی کتاب

ایک مسلمان کے لیے اس بات میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ قرآنِ مجید مُنَزَّلُ مِنَ اللّٰه (اللہ کی نازل کردہ) سچی کتاب ہے کیونکہ جس پیغمبرؐ پر یہ نازل ہوئی، وہ اللہ کا سچا اور آخری پیغمبر ہے اور اسی نے اپنی امت کو یہ بتایا کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی کتاب ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کی امت میں سے اس کے صحابہ رضی اللہ عنہم سب سے پہلے اس کتاب پر ایمان لائے، پھر انہوں نے بالاتفاق یہ بات آگے آنے والوں یعنی تابعینؒ کو پہنچائی اور تابعینؒ نے آگے تبع تابعین کو اور اس طرح تواتر وتسلسل کے ساتھ یہ بات ہم تک پہنچی اور اسی تواتر کے ساتھ یہ ہم سے آگے نقل ہو رہی ہے اور تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ پھر تابعین، تبع تابعین، محدثین ومفسرین، فقہاء وعلماء، صلحاء واتقیاء وغیرہ گروہ در گروہ لاکھوں کی تعداد میں بیک زبان جو بات کہتے آئے ہیں، اسے آخر بغیر کسی دلیل کے کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے۔ جھٹلانا تو دور کی بات، اس میں تو شک بھی نہیں کیا جا سکتا......!

یہی نہیں کہ اس کتاب کے مُنَزَّلُ مِنَ اللّٰه ہونے کی گواہی تواتر کے ساتھ عادل ومتقی لوگ دیتے آئے ہیں، بلکہ ایسے بہت سے ناقابلِ تردید دلائل بھی موجود ہیں جو اس کے منزل من اللہ ہونے کی کھلی شہادت دیتے ہیں اور ان سے صرف وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو اسے منزل من اللہ تسلیم نہ کرنے کا پہلے ہی سے کوئی فیصلہ کیے بیٹھا ہو......!

آئندہ سطور میں چند ایسے شواہد ذکر کیے جا رہے ہیں جو قرآن مجید کے مُنَزَّلُ مِنَ اللّٰه [اللہ کی طرف سے نازل شدہ] ہونے کی کی کھلی دلیل ہیں:

پہلی دلیل:

اس کی ایک دلیل تو خود یہ کتاب اور اس کے مندرجات ہیں۔ اس کتاب میں جابجا یہ دعویٰ اور اعلان کیا گیا ہے کہ یہ کسی انسان کی ذہنی صلاحیتوں کا شاہکار نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ سچی اور معجزانہ کتاب ہے۔ چند قرآنی آیات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) : ﴿ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ﴾[سورة الدخان:۳،٤]

''یقیناً ہم نے اس کتاب (قرآن) کو ایک بابرکت رات میں نازل کیا ہے اور اسی رات ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔''

اس آیت میں ایک تو یہ بتایا گیا کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے اور دوسری یہ بات بتائی گئی ہے کہ یہ ایک بابرکت رات میں نازل کی گئی ہے اور وہ بابرکت رات کون سی تھی، اس کا جواب اگلی آیت میں یہ دیا جا رہا ہے کہ وہ لیلۃ القدر تھی جو رمضان المبارک کے آخری عشرے کی کوئی ایک رات ہے۔

(۲) : ﴿ إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ...... لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴾[سورة القدر :۱،۳]

''یقیناً ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر (لیلۃ القدر) میں نازل کیا ہے۔......شبِ قدر تو ایک ہزار مہینوں (کی عبادت) سے بہتر ہے۔''

(۳) : ﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴾[سورة الحجر:۹]

''ہم ہی نے اس قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ بھی ہیں۔''

قرآن مجید کی حفاظت تو ظاہر ہے بندوں کے ذریعے ہوئی ہے مگر اس حفاظت کے لیے سازگار حالات پیدا کرنا اور بندوں کے لیے اسے محفوظ رکھنا ممکن العمل بنانا، یہ سب اللہ ہی کی مشیت سے ہے۔

دوسری دلیل:

جب اس کتاب کے مختلف حصوں کا نزول ہوا اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے لوگوں سے کہا کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل ہونے والی کتاب ہے تو کفار نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ یہ آپؐ نے خود ہی تیار کی ہے، منزل من اللہ کتاب نہیں ہے۔ ان کی یہ بات قرآن مجید میں اس طرح نقل کی گئی ہے:

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ فَقَدْ جَاءُوا ظُلْمًا وَزُورًا وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَىٰ عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴾[سورة الفرقان:٤، ٥]

''اور کافروں نے کہا کہ یہ تو بس خود اسی کا گھڑا گھڑایا جھوٹ ہے جس پر اور لوگوں نے بھی اس کی مدد کی ہے، دراصل یہ کافر بڑے ہی ظلم اور سرتاسر جھوٹ بولنے والے ہیں۔ اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ یہ

تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں جو اس نے لکھ رکھے ہیں اور یہی صبح وشام اس کے سامنے پڑھے جارہے ہیں۔"

کفارِ مکہ کے اس اعتراض پر اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ کہا کہ

﴿ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾[سورة الفرقان:٦]

"(اے نبیؐ!) آپ کہہ دیجیے کہ یہ تو اس اللہ نے نازل کی ہے جو آسمان وزمین کی تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔"

اور دوسرا یہ کہ انہیں یہ چیلنج کیا کہ اگر یہ کتاب محمد ﷺ کی تیار کردہ ہے تو پھر اس جیسی کتاب تم بھی تیار کر دکھاؤ، مگر اس چیلنج کا وہ کوئی جواب نہ دے سکے۔ اس سلسلہ میں کفار کو چار طرح کا چیلنج دیا گیا:

۱)......ایک تو یہ کہ اگر یہ اللہ کی نازل کردہ نہیں بلکہ انسانی تصنیف ہے تو پھر تمام انسان جمع ہو کر اس جیسا قرآن بنا لائیں، اور اپنی مدد کے لیے اگر چاہیں تو جنات کو بھی ساتھ ملا لیں۔ ساتھ ہی انہیں پیشگی طور پر یہ بھی بتا دیا گیا کہ اگر وہ ایسا کرنا چاہیں بھی تو ایسا نہیں کر سکتے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴾[سورة الاسراء:٨٨]

"(اے نبیؐ!) آپ کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان اور جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا ناممکن ہے، خواہ وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔"

۲)......اس سلسلہ میں کفارِ مکہ کو دوسرا چیلنج یہ دیا گیا کہ پورا قرآن تو دور کی بات ہے، تم صرف دس سورتیں ہی اس جیسی بنا لاؤ، مگر وہ اس چیلنج کا بھی جواب نہ دے سکے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ ﴾[سورة هود: ١٣]

"کیا یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو (خود) اس (پیغمبر) نے گھڑا ہے۔ جواب دیجیے کہ پھر تم بھی اسی کے مثل دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے چاہو، اپنے ساتھ بلا لو اگر تم سچے ہو۔"

۳)......اس سلسلہ میں تیسرا چیلنج یہ دیا گیا کہ دس سورتیں چھوڑو، تم صرف ایک سورت ہی اس جیسی بنا لاؤ،

مگر تاریخ شاہد ہے کہ وہ اس چیلنج کا بھی جواب نہ دے سکے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) : ﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴾[سورة البقرة :۲۳،۲٤]

''ہم نے جو کچھ اپنے بندے (محمدؐ) پر نازل کیا ہے، اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تم بنالاؤ۔ تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلالو۔ پس اگر تم نے یہ نہ کیا اور تم ہرگز نہیں کر سکتے، تو (اسے سچا مان کر) اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

(۲) : ﴿ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴾[سورة يونس: ۳۷ تا ۳۹]

''اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اسے اللہ (کی وحی) کے بغیر (اَزخود) گھڑ لیا جائے بلکہ یہ تو (ان کتابوں کی) تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور (اَحکام ضروریہ) کی تفصیل بیان کرنے والا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ آپ کہہ دیجیے کہ تو پھر تم اس کے مثل ایک ہی سورت بنالاؤ اور جن جن غیر اللہ کو بلا سکو، بلالو اگر تم سچے ہو۔ بلکہ یہ (کفار) ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے ہیں جس کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لا سکے اور تا حال ان کو اس کا اَخیر نتیجہ نہیں ملا۔ جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں اسی طرح انہوں نے بھی جھٹلایا تھا، پس دیکھ لیجیے کہ اُن ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔''

۴)......اس سلسلہ میں چوتھا چیلنج یہ دیا گیا کہ قرآن مجید کے کسی ایک جملے، محاورے، یا مقولے کے پائے کا کوئی جملہ، محاورہ یا مقولہ لے آؤ، مگر وہ اس چیلنج کا بھی جواب نہ دے سکے، ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴾

”کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نبیؐ نے (قرآن) خود گھڑ لیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے۔ اچھا! اگر یہ سچے ہیں تو بھلا اس جیسی ایک (ہی) بات (مقولہ) یہ بھی لے آئیں۔“ [سورۃ الطور: ۳۳،۳۴]

یہ اس دور کی بات ہے جب عرب کے بڑے بڑے شعراء، فصحاء اور ماہر لغت زندہ تھے اور اس واقعہ کو آج چودہ صدیاں بیت گئیں مگر مادی و علمی ترقی کے باوجود آج تک قرآن مجید کے اس چیلنج کا کوئی قوم جواب نہ دے سکی اور نہ رہتی دنیا تک کوئی اس کا جواب دے سکتا ہے۔ یہی قرآن مجید کا وہ اعجاز ہے جو اس کے سچا اور منزل من اللہ ہونے کا کھلا ثبوت ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید کو اپنا اہم ترین معجزہ کہا ہے، چنانچہ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ

((مَا مِنَ الْاَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ اِلَّا اُعْطِيَ مِنَ الْاٰيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ وَاِنَّمَا كَانَ الَّذِيْ اُوْتِيْتُهُ وَحْيًا اَوْحَاهُ اللّٰهُ اِلَيَّ فَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ))(۱)

”ہر نبی کو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) ایسے ایسے معجزات عطا کئے گئے کہ (انہیں دیکھ کر) لوگ ان پر ایمان لائے (اور ان کے بعد کے اُدوار میں ان کا کوئی اثر نہ رہا) جبکہ مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے، وہ وحی (قرآن) ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کی ہے (اور اس کا اَثر تا قیامت باقی رہے گا) اس لیے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے تابع فرمان لوگ دوسرے پیغمبروں کے تابع فرمانوں سے زیادہ ہوں گے۔“

گزشتہ انبیاء کے معجزات وقت گزرنے کے بعد تاریخ کا حصہ بن گئے اور بعد میں ان کی حیثیت افسانے اور تاریخی کہانی کی طرح ہو کر رہ گئی جبکہ قرآن مجید رہتی دنیا تک ایک زندہ معجزہ رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی قرآن مجید کے معجزانہ نکات سے متاثر ہو کر لوگ مسلمان ہوتے رہتے ہیں۔

ایک اعتراض کا جواب:

بعض غیر مسلم قرآن مجید پر اعتراض کرتے ہوئے اسے اللہ کی نازل کردہ کتاب کی بجائے حضرت محمد ﷺ کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ یہ اعتراض نیا نہیں۔ نزولِ قرآن کے زمانہ میں بھی بعض کفار یہ اعتراض کیا کرتے تھے۔ اس کے جواب میں جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ کہا کہ اگر یہ محمد ﷺ کی تصنیف ہے تو پھر تم بھی اس جیسی اور اس کے ہم پلہ تصنیف پیش کرو اور وہ ایسا نہ کر سکے، وہاں یہ بھی کہا گیا کہ اگر ہمارا یہ پیغمبرؐ ہماری

(۱) [صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب کیف نزل الوحی واول ما نزل (ح ۴۹۸۱)]

طرف سے نازل کی جانے والی اس کتاب میں اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیتا تو ہم اسے فوراً ہلاک کر دیتے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ فَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴾[سورة الحاقة: ٤١ تا٤٧]

''یہ (قرآن) کسی شاعر کا قول نہیں، (افسوس) تمہیں بہت کم یقین ہے۔ اور نہ یہ کسی کاہن کا قول ہے (افسوس) تم بہت کم نصیحت لے رہے ہو۔ (یہ تو) رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ اور اگر یہ (پیغمبرؐ) ہم پر کوئی بھی بات بنا لیتا تو ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے، پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔ پھر تم میں سے کوئی بھی اس سے روکنے (بچانے) والا نہ ہوتا۔''

اللہ تعالیٰ کو جب اتنی بات بھی گوارا نہ تھی کہ پیغمبر اس کتاب میں اپنی طرف سے کوئی بات یا جملہ بڑھا دے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ پوری کتاب پیغمبر از خود گھڑ کر اسے اللہ کی طرف منسوب کر دے اور اللہ تعالیٰ اس پر خاموش رہے۔

علاوہ ازیں اس اعتراض کو رفع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ چیلنج بھی دیا کہ اگر یہ محمد ﷺ کی ذاتی تصنیف ہے تو تم بھی اس جیسی اور اس کے ہم پلہ کوئی تصنیف پیش کر دکھاؤ مگر وہ کوشش کے باوجود عاجز آ گئے حالانکہ انسانی تاریخ میں قرآن سے پہلے یا اس کے بعد ہمیں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی انسانی تصنیف کے بارے یہ دعویٰ کیا گیا ہو کہ اس کے ہم پلہ کتاب کوئی اور انسان نہیں لکھ سکتا حتیٰ کہ کسی بڑے سے بڑے مصنف نے بھی اپنی کسی تصنیف کے بارے ایسا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر بالفرض تکبر اور غرور میں آ کر کوئی مصنف اپنی کسی تصنیف کے بارے میں ایسا کوئی دعویٰ کر بیٹھے تو ہم جانتے ہیں کہ علمی دنیا میں اس دعوے کی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔

تیسری دلیل:

قرآن مجید کے سچا اور منزل من اللہ ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ اس میں جتنی پیش گوئیاں مذکور ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی غلط یا خلافِ واقعہ ثابت نہیں ہوئی۔ اگر یہ کتاب، اللہ کی طرف سے نہ ہوتی تو یقیناً انسانی پیش گوئیوں کی طرح اس کی بھی بہت سی پیش گوئیاں جھوٹی ثابت ہوتیں۔ مگر یہ ناقابلِ تردید حقیقت

ہے کہ قرآن مجید کی جس پیش گوئی کا وقت آیا وہ حرف بہ حرف سچ ثابت ہوئی، مثال کے طور پر ذیل میں ایک قرآنی پیش گوئی کا مطالعہ کریں جو نزولِ قرآن کے ابتدائی دور میں کی گئی اور چند ہی سالوں میں وہ حرف بحرف درست ثابت ہوئی:

جزیرہ نما عرب کے مشرق ومغرب میں دو بڑی طاقتیں تھیں ایک فارس (یعنی ایران) کی اور دوسری روم کی۔ ایرانی آتش پرست اور مجوسی ہونے کی وجہ سے سخت مشرک تھے جبکہ رومی عیسائی ہونے کی وجہ سے اہل کتاب تھے۔ یہ دونوں طاقتیں آپس میں نبرد آزما رہتی تھیں۔ نزولِ قرآن کے دور میں ایرانی بہت زیادہ طاقتور ہو چکے تھے اور انہوں نے رومیوں کو عبرتناک شکست دے کے ان کے تمام اہم علاقوں پر قبضہ جما لیا تھا۔ ایرانیوں کی اس فتح اور رومیوں کی شکست پر قرآن مجید میں یہ پیش گوئی کی گئی:

﴿ الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ﴾[سورة الروم: ١ تا ٤]

''ا۔ل۔م۔ رومی قریب کی زمین میں مغلوب ہو گئے ہیں اور اپنی اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر وہ غالب ہو جائیں گے۔''

ان آیات میں پوری صراحت کے ساتھ یہ پیش گوئی کی گئی کہ رومی مغلوبیت کے باوجود چند ہی سالوں میں غالب آ جائیں گے۔ جس وقت یہ آیات نازل ہوئیں، اس وقت بظاہر حالات واسباب ایرانیوں کے حق میں تھے اور رومیوں کے غالب آ جانے کے دور دور تک کوئی آثار نہ تھے، پھر ایرانیوں کے مشرک ہونے کی وجہ سے کفارِ مکہ کی ہمدردیاں بھی فطرتی طور پر ان کے ساتھ ہی تھیں، چنانچہ کفارِ مکہ نے قرآن مجید کی ان آیات پر مسلمانوں کا خوب مذاق اڑایا۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ ان آیات کے چند سالوں کے بعد رومی غالب آ گئے اور قرآن مجید کی یہ پیش گوئی حرف بحرف سچ ثابت ہوئی۔

قرآن مجید کی اس واضح ترین پیش گوئی سے یہ شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ ایسی پیش گوئیاں تو نجومی اور کاہن وغیرہ بھی کرتے رہتے ہیں اور بعض اَوقات ان کی پیش گوئیاں بھی درست ثابت ہوتی ہیں۔ اس بات کی کوئی وقعت نہیں۔ اول تو اس لیے کہ ان نجومیوں کی پیش گوئیاں مبہم اور غیر واضح ہوتی ہیں تا کہ ان کے غلط ثابت ہونے پر وہ جھوٹے قرار نہ دیے جا سکیں بلکہ یہ اپنے لیے ایسے چور دروازے کھلے رکھتے ہیں کہ وقت آنے پر اپنی پیش گوئی کو بدل سکیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ نجومی وغیرہ ان چیزوں کی پیش گوئیاں کرتے ہیں جن کے بارے میں زمینی قرائن، حالات اور واقعات وغیرہ ان کے موافق موجود ہوں۔ ظاہر ہے قرائن کی مدد سے کیا گیا اندازہ عام طور پر قوی ثابت ہوتا ہے جبکہ قرآن مجید نے جس وقت یہ پیش گوئی کی تھی، اس وقت زمینی حقائق مکمل طور پر اس پیش گوئی کے خلاف تھے مگر اس کے باوجود قرآن مجید کی پیش گوئی سچ ثابت ہوئی۔

تیسری بات یہ ہے کہ عاملوں، نجومیوں کی طرف سے کی جانے والی پیش گوئیوں کا اگر صحیح ریکارڈ جمع کیا جائے تو ان کی بیشتر پیش گوئیاں غلط نکلتی ہیں جبکہ قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ کی لسانِ مبارک سے کی گئی ایک پیش گوئی بھی آج تک غلط ثابت نہیں ہوئی۔ [دیکھیے ہماری کتاب: پیش گوئیوں کی حقیقت اور انکی تعبیر]

چوتھی دلیل:

قرآن مجید کے منزل من اللہ اور سچے ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ اس میں جتنی معلومات، خبریں اور علمی وسائنسی باتیں بیان ہوئی ہیں، وہ سب سچی اور شک وشبہ سے بالاتر ہیں اور آج بھی سائنس و ٹیکنالوجی کی اس قدر ترقی کے باوجود قرآن مجید کی کوئی خبر، کوئی بیان، کوئی علمی نکتہ غلط ثابت نہیں ہوسکا اور نہ ہوسکے گا، اس لیے کہ یہ کتاب اس ذات کی طرف سے نازل کردہ ہے جو اس ساری کائنات کی تنہا خالق و مالک ہے اور اگر کائنات کا خالق و مالک اپنی پیدا کی ہوئی کائنات کے بارے اَز خود کوئی بات کہہ دے، تو وہ آخر غلط کیسے ہوسکتی ہے......!

اس حقیقت سے بھی ہم بخوبی آگاہ ہیں کہ وقت کے ساتھ جیسے جیسے انسان کا علم، مشاہدہ اور تجربہ وسیع ہوتا گیا، ویسے ویسے انسانی تاریخ کے ہزاروں عقائد ونظریات اور تصورات وخیالات بدلتے چلے گئے۔ بہت سی ایسی باتیں جنہیں کبھی مسلمہ حیثیت حاصل تھی، علمی پیش رفت نے انہیں جہالت وفرسودگی اور گمراہی سے تعبیر کیا۔ سائنس وٹیکنالوجی کے اس دور میں بھی تحقیق وتجربہ کی بنیاد پر سائنسی نظریات میں رائے کی تبدیلی کا عمل جاری ہے، مگر چودہ صدیاں پیشتر نازل ہونے والی اس کتاب کی کوئی بات، کوئی پیغام، اور کوئی فکر نہ آج تک تبدیل ہوئی اور نہ ہی وہ کسی طرح کی تبدیلی کی محتاج معلوم ہوتی ہے......!

قرآن مجید نے آج سے چودہ صدیاں پیشتر رحم مادر میں بچے کے تخلیقی مراحل کی نشاندہی کی حالانکہ اس وقت اس موضوع پر سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے بھی لوگ عاری تھے۔ جب کہ میڈیکل سائنس کی ترقی نے

آج قرآن مجید کے اس بیان کی پوری تصدیق کردی ہے۔ یہ ایک مثال ہے، اسی پر قرآن مجید کے دیگر سائنسی اور مشاہداتی بیانات کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ اگر بالفرض قرآن مجید کے کسی بیان کو آج کی سائنس خلافِ حقیقت سمجھتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ فی الواقع وہ خلافِ حقیقت ہے اور سائنسی تحقیق ہی حرفِ آخر ہے، نہیں! بلکہ اللہ کی کہی ہوئی بات ہی حرفِ آخر ہے بشرطیکہ اس کا وہی مفہوم درست اور منشائے خداوندی کے مطابق ہو جو قرآن مجید سے ہمیں سمجھ آرہا ہے جبکہ اس کے خلاف ہر سائنسی تحقیق کے بارے میں ہم بے خوفِ تردید یہی کہیں گے کہ ابھی وہ تحقیق کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوئی اور اس میں کہیں نہ کہیں نقص باقی ہے، ورنہ وہ کائنات کے خالق و مالک کے کلام (قرآن) کے خلاف نہ ہوتی۔

ڈاکٹر موریس بوکایۓ کی تحقیق اور قبولِ اسلام:

یہاں ایک مشہور مغربی مصنف ڈاکٹر موریس بوکایۓ کا تذکرہ بھی مفید ہے۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی (سابق وفاقی وزیر برائے مذہبی امور، نائب صدر: انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد) انکے بارے فرماتے ہیں:

''موریس بکایۓ فرانس کے نومسلم عالم ہیں، پیشہ کے اعتبار سے میڈیکل ڈاکٹر ہیں۔ ایک زمانہ میں فرانس کی میڈیکل ایسوسی ایشن کے صدر رہے۔ وہ شاہ فیصل مرحوم کے ذاتی معالج تھے۔ میری ان سے ملاقات ہوئی ہے۔ انہوں نے خود مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ انہیں ایک مرتبہ شاہ فیصل کا طبی معائنہ کرنے کے لیے پیرس سے بلایا گیا۔ وہ ایک ہوٹل میں قیام پذیر تھے۔ اس دوران میں انہوں نے وہاں قرآن پاک کا ایک نسخہ رکھا ہوا دیکھا۔ سرسری ورق گردانی کی تو پتہ چلا کہ قرآن مجید میں کچھ بیانات سائنسی نوعیت کے بھی ہیں۔ انہوں نے وہ تمام بیانات اپنے پاس نوٹ کر لیے۔ اس وقت ان کا کوئی ارادہ اسلام قبول کرنے کا نہ تھا۔ پھر جب وہ پیرس واپس گئے تو انہوں نے بائبل سے بھی اس قسم کے تمام بیانات نوٹ کر لیے جو سائنسی نوعیت کے تھے۔ بعد اَزاں ان سب بیانات کا تقابلی مطالعہ کیا تو دیکھا کہ قرآن مجید کے تمام بیانات سو فیصد درست تھے اور بائبل کے تمام بیانات سو فیصد غلط۔ یوں ان کو اسلام اور قرآن سے دلچسپی پیدا ہوگئی، چنانچہ انہوں نے اسلام کا مطالعہ جاری رکھا، بالآخر انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اس دوران انہوں نے ایک کتاب بھی تصنیف کی: ''بائبل، قرآن اور سائنس''[1]

اس کتاب میں موریس بوکایۓ نے بائبل اور قرآن دونوں کے بہت سے سائنسی بیانات کا جدید سائنسی

(۱) [محاضرات قرآنی، از محمود احمد غازی (ص ٤٤) الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور]

حقائق کے ساتھ موازنہ کیا ہے اور کتاب کے مقدمہ میں بطور نتیجہ یا خلاصہ جو کچھ کہا ہے، وہ خود انہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

''قرآن کریم میں مقدس بائبل سے کہیں زیادہ سائنسی دلچسپی کے مضامین زیر بحث آئے ہیں۔ بائبل میں یہ بیانات محدود تعداد میں ہیں لیکن سائنس سے متبائن ہیں، اس کے برخلاف قرآن میں بکثرت مضامین سائنسی نوعیت کے ہیں۔ اس لیے دونوں میں کوئی مقابلہ نہیں۔ مؤخر الذکر میں کوئی بھی بیان ایسا نہیں جو سائنسی نقطہ نظر سے متصادم ہوتا ہو۔ یہ بنیادی حقیقت ہے جو ہمارے جائزہ لینے سے ابھر کر سامنے آئی ہے۔''(۱)

موریس بوکائیے مزید رقم طراز ہیں:

''جب میں نے پہلے پہل قرآنی وحی وتنزیل کا جائزہ لیا تو میرا نقطہ نظر کلیتاً معروضی تھا۔ پہلے سے کوئی سوچا سمجھا منصوبہ نہ تھا۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ قرآنی متن اور جدید سائنس کی معلومات کے مابین کس درجہ مطابقت ہے۔ تراجم سے مجھے پتہ چلا کہ قرآن ہر طرح کے قدرتی حوادث کا اکثر اشارہ کرتا ہے لیکن اس مطالعہ سے مجھے مختصری معلومات حاصل ہوئیں۔ جب میں نے گہری نظر سے عربی زبان میں اس کے متن کا مطالعہ کیا اور ایک فہرست تیار کی تو مجھے اس کام کو مکمل کرنے کے بعد اس شہادت کا اقرار کرنا پڑا جو میرے سامنے تھی کہ قرآن میں ایک بھی بیان ایسا نہیں ملا جس پر جدید سائنس کے نقطۂ نظر سے حرف گیری کی جا سکے۔ اس معیار کو میں نے عہد نامہ قدیم اور اناجیل کے لیے آزمایا اور ہمیشہ ہی معروضی نقطہ نظر قائم رکھا۔ اول الذکر میں مجھے پہلی کتاب آفرینش سے آگے نہیں جانا پڑا اور ایسے بیانات مل گئے جو جدید سائنس کے مسلمہ حقائق سے کلی طور پر عدم مطابقت رکھتے تھے۔ اناجیل کو شروع کرتے ہی فوری طور پر ایک سنجیدہ مسئلہ سے سابقہ پڑتا ہے۔ پہلے ہی صفحہ پر ہمیں حضرت عیسیٰؑ کا نسب نامہ ملتا ہے لیکن اس موضوع سے متعلق متیٰ کا متن واضح طور پر لوقا کے متن سے مختلف ہے۔ ایک اور مسئلہ اس لحاظ سے بھی سامنے آیا کہ مؤخر الذکر میں کرہ ارض پر انسان کی قدامت سے متعلق معلومات جدید (سائنسی) معلومات سے متبائن ہیں۔''(۲)

(۱) [بائبل،قرآن اور سائنس، ازموریس بوکائیے(ص ۲۰)ترجمہ از ثناء الحق صدیقی، آوازاشاعت گھر، لاہور]
(۲) [ایضاً(ص ۲۱،۲۲)]

پانچویں دلیل:

قرآن مجید ایک ضخیم و مفصل کتاب ہے۔ اس میں ماضی و مستقبل کے بہت سے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ مادی دنیا کے بہت سے ایسے حقائق سے بھی اس کتاب نے پردہ اُٹھایا ہے جس کا تصور بھی اس کے دورِ نزول میں محال تھا۔ پھر مابعد الطبعی اُمور میں بھی اس نے ہر طرح سے کلام کیا ہے۔ پھر ایک مضمون کو اس نے بے شمار جگہ دہرایا ہے۔ کہیں اِجمال ہے تو کہیں تفصیل، کہیں ایک پہلو پر زور دیا گیا ہے تو کہیں دوسرے پر۔ مگر اس کے باوجود قرآن مجید کے کسی بیان یا خبر میں ہمیں نہ تضاد نظر آتا ہے اور نہ اختلاف۔ اگر ان سب موضوعات پر کوئی انسان کلام کرتا تو یقیناً اس کے کلام میں جہاں خلافِ حقیقت بیانات ملتے، وہاں بہت سے اُمور میں تعارض وتناقض بھی دکھائی دیتا، اسی لیے قرآن مجید کے بارے اللہ تعالیٰ نے یہ بات ارشاد فرمائی کہ

﴿ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴾[سورة النساء:۸۲]

''یہ لوگ قرآن پر غور وفکر کیوں نہیں کرتے، اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ ضرور اس میں بہت زیادہ اختلاف (تناقض وتعارض) پاتے۔''

......☆......

[2].....اللہ کی نازل کردہ آخری کتاب ہدایت

جس طرح حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول ہیں، اسی طرح آپؐ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید بھی اللہ کی آخری کتاب ہے۔ اب قیامت تک نہ کوئی نیا نبی اور رسول آئے گا اور نہ ہی کوئی نئی کتاب نازل کی جائے گی۔ اب اللہ کے رسول ﷺ کے فرامین اور قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل کرنا ہی باعث نجات ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں دوٹوک یہ بات بیان کی گئی کہ جو کچھ محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے، اب وہی حق ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّهُوَالْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ﴾[سورة محمدؐ: ٢]

''اور جو لوگ اس چیز پر ایمان لائے جو محمدؐ پر نازل کی گئی ہے، اور دراصل ان کے رب کی طرف سے (اب) سچا دین بھی وہی ہے۔'' (جو محمدؐ پر نازل کیا گیا ہے)

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے نبیوں پر جو دین نازل ہوتا وہی حق قرار پاتا مگر جب اللہ نے اپنے آخری نبی کو مبعوث فرمادیا تو پہلے نبیوں پر نازل ہونے والے دین وشریعت کی ضرورت کو ختم کردیا بلکہ ایسے حالات پیدا فرمادیے کہ سابقہ اَدیان اپنی اصل شکل وصورت میں باقی ہی نہ رہے اور اس میں اللہ کی یہ حکمت کارفرما تھی کہ اب اس دین وشریعت کی پیروی کی جائے جو آخری پیغمبرؐ پر آخری دین کی حیثیت سے نازل کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں درج ذیل روایت میں جو کچھ بیان ہوا ہے، وہ قابلِ غور ہے:

((عن جابر عن النبی ﷺ حِیْنَ اَتَاهُ عُمَرُ فَقَالَ اِنَّا نَسْمَعُ اَحَادِیْثَ مِنْ یَهُوْدَ تُعْجِبُنَا اَفَتَرٰی اَنْ نَکْتُبَ بَعْضَهَا فَقَالَ: اَمُتَهَوِّکُوْنَ اَنْتُمْ کَمَا تَهَوَّکَتِ الْیَهُوْدُ وَالنَّصَارٰی جِئْتُکُمْ بِهَا بَیْضَاءَ نَقِیَّةً وَلَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا مَا وَسِعَهُ اِلَّا اتِّبَاعِیْ))

''حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم یہودیوں سے (ان کے دین کی) باتیں سنتے ہیں، جو ہمیں اچھی لگتی ہیں۔ اگر آپؐ اجازت دیں تو ہم

ان کی بعض باتیں لکھ لیا کریں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم (اپنے دین کے ساتھ) اس طرح لاپروائی کرنا چاہتے ہو جس طرح یہود و نصاریٰ نے (اپنے دین کے بارے) لاپروائی کا اظہار کیا تھا جبکہ میں تمہارے پاس ایک واضح اور صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں۔ اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری پیروی کیے بغیر ان کے لیے بھی کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔"(۱)

درج ذیل روایت میں یہی بات ذرا تفصیل سے اس طرح بیان ہوئی ہے:

((عن جابر ان عمربن الخطاب اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِنُسْخَةٍ مِّنَ التَّوْرَاةِ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! هٰذِهِ نُسْخَةٌ مِّنَ التَّوْرَاةِ فَسَكَتَ فَجَعَلَ يَقْرَأُ وَوَجْهُ رَسُوْلِ اللّٰهِ يَتَغَيَّرُ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ: ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ مَاتَرٰى مَابِوَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَنَظَرَ عُمَرُ اِلٰى وَجْهِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ غَضَبِ اللّٰهِ وَغَضَبِ رَسُوْلِهٖ رَضِيْنَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا فَقَالَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ: وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْبَدَا لَكُمْ مُوْسٰى فَاتَّبَعْتُمُوْهُ وَتَرَكْتُمُوْنِيْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ وَلَوْكَانَ حَيًّا وَاَدْرَكَ نُبُوَّتِيْ لَاتَّبَعَنِيْ))

"حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کہیں سے تورات کا کوئی نسخہ لے کر اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول! یہ تورات ہے۔ آپ ﷺ خاموش رہے مگر حضرت عمرؓ نے اسے پڑھنا شروع کر دیا، تو اللہ کے رسول ﷺ کا چہرۂ مبارک (غصے سے) بدلنے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ (نے یہ دیکھتے ہوئے) کہا اے عمر! گم کرنے والیاں تمہیں گم پائیں، کیا تم نے اللہ کے رسول ﷺ کا چہرہ مبارک نہیں دیکھا؟! حضرت عمرؓ نے اللہ کے رسول ﷺ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا تو فوراً کہا: میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے غصے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، میں اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر آج موسیٰ علیہ السلام تشریف لے آئیں اور تم لوگ مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی شروع کر دو، تو سیدھی راہ سے بھٹک جاؤ گے جبکہ موسیٰ علیہ السلام اگر زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے، تو وہ بھی میری ہی اتباع کرتے۔"(۲)

(۱) [مسند احمد (ج۳ ص۸۳) بیهقی، باب فی الایمان بالقرآن وسائر الکتب المنزلة (ج۱ ص۱۹۹ ح۱۷۶)]

(۲) [سنن دارمی، المقدمه، باب مایتقیٰ من تفسیر حدیث النبیؐ ۔ارواء الغلیل (۳۸۳۴/۶) مشکوٰة (ح۱۹۴)]

حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے سچے رسول تھے مگر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنا آخری رسول بنا کر مبعوث فرمادیا تو آپؐ کے آجانے کے بعد سابقہ تمام شریعتوں کی ضرورت کو ختم فرمادیا کیونکہ اللہ نے آپ کو ایک جامع اور کامل شریعت عطا فرمائی پھر تا قیامت اس کی حفاظت کی ذمہ داری بھی اٹھائی۔اس لیے ہدایت ورہنمائی کے لیے ہمیں یہی شریعت کافی ہے،کسی اور دین وشریعت کی کوئی حاجت ہے نہ ضرورت۔حضرت عمرؓ کو تورات کی بعض باتیں حیران کن حد تک اچھی لگیں مگر یہ رویہ تورات کے کسی ناظر کو تورات سے متاثر اور محمدی شریعت سے لاپروا کرسکتا تھا،اس لیے آپؐ نے اس معاملہ میں سختی کرتے ہوئے یہی بات ارشاد فرمائی کہ''کیا تم (اپنے دین کے ساتھ) اس طرح لاپروائی کرنا چاہتے ہو جس طرح یہودونصاریٰ نے (اپنے دین کے بارے) لاپروائی کا اظہار کیا تھا۔''یعنی جب میں ایک شریعت لے کر تمہارے پاس آگیا ہوں تو پھر ہدایت کے لیے تم کسی اور چیز کی طرف کیوں دیکھتے ہو......!

پھر آپ کی لائی ہوئی شریعت چونکہ کامل ومکمل اور آخری شریعت کی حیثیت رکھتی ہے،اس لیے آپ نے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا:''جبکہ میں تمہارے پاس ایک واضح اور صاف ستھری شریعت لے کر آیا ہوں۔''

پھر آپؐ نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ''اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو میری پیروی کیے بغیر ان کے لیے بھی کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔''

مذکورہ بالا دونوں اَحادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقابلہ میں کسی اور نبی کی بات حجت نہیں ہوسکتی تو پھر آپؐ کے مقابلہ میں کسی عالم اور فقیہ کی بات بالاولیٰ حجت نہیں ہوسکتی۔اور اگر کوئی شخص حدیثِ رسولؐ واضح ہوجانے کے باوجود کسی عالم،مفتی یا پیرومرشد کی بات پر عمل کرے جبکہ اس کی وہ بات قرآن وسنت کے صریح خلاف بھی ہو تو اس شخص کو اپنے اس گمراہانہ فعل پر اپنے بارے کسی خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیے۔

اس کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کے لائے ہوئے دین وشریعت (اسلام) کے مقابلہ میں اب کوئی اور دین وشریعت قابلِ قبول نہیں۔قرآن مجید کی بعض آیات میں یہ حقیقت اس طرح بیان ہوئی ہے:

(۱) : ﴿ إِنَّ الدِّيْنَ عِندَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ ﴾[سورة آل عمران:۱۹]

''بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔''

(۲) : ﴿ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾

''جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا، اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ روزِ آخرت نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔'' [سورۃ آل عمران:۸۵]

دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ قرآن وحدیث کے مقابلہ میں اب کوئی اور چیز انسانیت کے لیے ہدایت ورہنمائی کا ذریعہ نہیں ہے۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے اپنی امت کو بڑی تاکید کے ساتھ یہ بات کہی کہ

((اِنِّیْ قَدْتَرَکْتُ فِیْکُمْ شَیْئَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَھُمَا کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّتِیْ))

''میں تمہارے اندر دو ایسی چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں کہ اگر تم ان پر عمل کروگے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے؛ ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسری میری سنت ہے۔''(۱)

ان دو چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز بھی اگر ہدایت کا معیار ہوتی تو یقیناً اللہ کے رسولؐ اس کی بھی وضاحت فرمادیتے، مگر ذخیرۂ حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اس کے علاوہ کسی اور چیز کو معیارِ ہدایت قرار نہیں دیا۔ اس لیے کسی مفتی کا فتویٰ، عالم کا علم، فقیہ کی فقہ، مفسر کی تفسیر، مؤرخ کی تاریخ، مصنف کی تصنیف دین میں معیارِ حجت نہیں بلکہ قرآن اور حدیث ہی اصل معیار ہے اور اسی پر ہر چیز کو تولا جائے گا، جو قرآن وحدیث پر پورا اترے وہ قابلِ قبول اور جو پورا نہ اترے وہ ناقابلِ اِلتفات ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ:

افسوس کا مقام ہے کہ مسلمانوں میں سے بعض لوگ قرآن مجید کو تو کتابِ ہدایت تسلیم کرتے ہیں مگر جس پیغمبر پر یہ کتاب نازل ہوئی اور جسے اس کتاب کی تشریح وتبیین کی ذمہ داری بھی من جانب اللہ سونپی گئی، اس پیغمبر کی اَحادیث وسنن کو وہ سرے سے معیارِ ہدایت تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ الٹا اسے قرآنی تعلیمات کے منافی خیال کرتے ہیں حالانکہ ان کا یہ رویہ خود قرآنی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ قرآن مجید کی درج ذیل چند آیات کا مطالعہ کیجیے اور پھر خود ہی فیصلہ کیجیے کہ آیا ان لوگوں کا یہ رویہ قرآنی تعلیمات کے مطابق ہے یا اس کے منافی!

۱)......﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْہُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ﴾[الانفال:۲۰]

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور بات سن لینے کے بعد اس سے منہ نہ موڑو۔''

(۱) [صحیح الجامع الصغیر۔ للالبانیؒ (ح۲۹۳٤)]

۲)……﴿ يٰاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُواالرَّسُوْلَ وَلَاتُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ ﴾[محمد:۳۳]

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کا کہا مانو (اور اطاعت سے منہ موڑ کر) اپنے عمل ضائع نہ کرو۔''

۳)……﴿ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴾[آل عمران:۳۲]

''(اے نبیؐ! لوگوں سے) کہہ دیجیے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اگر لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت سے منہ موڑیں (تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ) اللہ یقیناً کافروں کو پسند نہیں کرتا۔''

٤)……﴿ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَانَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾

''جو کچھ رسول تمہیں دے، وہ لے لو اور جس چیز سے تمہیں روک دے، اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔'' [سورۃ الحشر:۷]

٥)……﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾[النور:٥٦]

''نماز قائم کرو، زکاۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو، تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

٦)……﴿ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴾[النساء:٨٠]

''جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی، اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی اور جس نے رسول کی اطاعت سے منہ پھیرا (اس کا وبال اسی پر ہوگا) ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔''

۷)……﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴾

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی بھی جو تم میں سے صاحب امر ہیں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی بھی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم واقعی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہت بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی سب سے اچھا ہے۔'' [سورۃ النساء:۵۹]

۸)……﴿ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْافَاِنَّمَاعَلَيْهِ مَاحُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَاحُمِّلْتُمْ ﴾[سورة التوبه:٥٤]

''(اے محمدؐ!) کہہ دیجیے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور (میں) رسول کی اطاعت کرو اور اگر نہیں کرتے

تو خوب سمجھ لو کہ اللہ کے رسولؑ پر جس (ذمہ داری یعنی فریضۂ رسالت) کا بوجھ ڈالا گیا ہے، وہ صرف اسی کا ذمہ دار ہے اور تم پر جس (فرض یعنی اطاعتِ رسولؐ) کا بوجھ ڈالا گیا ہے، اس کے ذمہ دار تم ہو۔"

۹)......﴿ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴾ [سورة توبه:٥٤]

"اگر رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے ورنہ رسول کی ذمہ داری اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ (اپنا پیغام) صاف صاف پہنچا دے۔"

ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے اپنے نبی ﷺ کی اُطاعت کو فرض قرار دیا ہے اور نبی کی اطاعت سے منہ موڑنے کو سخت ناپسند کیا اور اُعمال کے ضیاع کا سبب قرار دیا ہے۔ اگر قرآن ہی کافی ہوتا تو نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا نہ حکم دیا جاتا اور نہ اس پر اس قدر زور دیا جاتا اور نہ ہی مذکورہ بالا آیات میں سے ساتویں آیت میں باہمی تنازعات کے وقت حضور نبی کریم ﷺ کی طرف رجوع کا حکم دیا جاتا۔

اسی طرح اگر قرآن ہی کافی ہوتا تو حضور نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے اُحکام کی شرح و تبیین کا منصب کبھی نہ سونپتے، مگر قرآن مجید کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود آپ کو یہ منصب تفویض کیا تھا، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

((وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ)) [سورة النحل:٤٤]

"اور (اے نبیؐ) ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر (قرآن) اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کے لیے اس چیز کو واضح کر دیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے۔"

اس آیت سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱)......اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے نبی کو یہ منصب بھی عطا فرمایا تھا کہ جو قرآن آپؐ پر نازل ہوا ہے، آپ لوگوں کے لیے اس کی تشریح بھی کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے صرف یہ قرآن ہی امت کو نہیں دیا بلکہ اللہ کے حکم سے اس کی شرح کے طور پر اضافی اُحکام بھی دیے ہیں جو آپ کی حدیث اور سنت کہلاتے ہیں۔ یہ اضافی اُحکام چونکہ وحیِ الٰہی کی روشنی میں طے پائے، اس لیے سورۃ القیامۃ میں ان کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴾ [سورة القيامة:١٩]

"پھر اس قرآن کی تبیین بھی ہمارے ذمہ ہے۔"

۲)...... یہ بات ہر شخص سمجھتا ہے کہ کتاب اور شرح بالکل ایک چیز نہیں ہوتے بلکہ شرح میں اصل کتاب سے اضافی معلومات بھی ہوتی ہیں۔لہٰذا کتاب اللہ کے شارح کی حیثیت سے جو اضافی باتیں (یعنی قولی و عملی اَحادیث) آپؐ اپنی امت کو بتاتے وہ بھی اللہ کی منشا ومرضی کے مطابق ہوتیں۔اس لیے کہ وحی کی روشنی میں آپ کی رہنمائی کی جاتی تھی جب کہ آپؐ کے علاوہ قرآن کے کسی اور مفسر وشارح کے بارے میں کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس کی شرح وتبیین بھی اللہ کی منشا کے عین مطابق ہے۔

۳)...... اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی شرح وتبیین لوگوں کی قطعی ضرورت تھی، اگر اس کے بغیر لوگوں کو دین سمجھ آسکتا تھا تو پھر نبی کو شارح کا منصب تفویض کرنے کا کیا ضرورت تھی۔اور جب آپؐ نے اللہ کے حکم سے قرآنی احکام کی تشریح وتبیین بھی فرمادی تو امت میں سے کسے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ قرآن کو تو تسلیم کرے مگر قرآنی اَحکام کے سلسلہ میں جو تشریح آپؐ نے فرمائی ہے، اسے تسلیم کرنے سے انکار کردے۔اگر قرآن کی تشریح وتبیین کے سلسلہ میں نبی کی کوئی ضرورت نہ تھی تو پھر اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کرکے ایک نبیؐ پر نازل کرنے کی زحمت آخر کیوں کی گئی۔اس سے بہتر تھا کہ کسی پہاڑ پر قرآن رکھ دیا جاتا اور لوگوں سے کہہ دیا جاتا کہ وہاں سے اللہ کی کتاب اٹھالاؤ اور جسے جیسے یہ سمجھ آئے، وہ ویسے ہی اس پر عمل شروع کردے......!!

۴)...... قرآن مجید میں نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج وغیرہ عبادات کے بارے میں واضح طور پر حکم دیا گیا ہے، لیکن یہ عبادات کیسے بجالائی جائیں، ان کی توضیح اس وقت تک ممکن نہ تھی جب تک کہ عملی طور پر یہ کرکے دکھا نہ دی جاتیں۔اللہ تعالیٰ نے خود دنیا میں لوگوں کے سامنے آکر یہ سب کچھ عملی طور پر کرکے نہیں دکھایا اور نہ ہی اللہ سے یہ توقع کرنی چاہیے البتہ اس کی بجائے اللہ تعالیٰ نے انسانوں ہی سے ایک مثالی شخصیت کا انتخاب کرکے اسے نبوت ورسالت سے مشرف فرمایا، اس پر اپنی کتاب نازل فرمائی اور اپنی عبادت سے متعلقہ اَحکام کی تفصیل سے اسے آگاہ کرکے اس کے قول وفعل کو اُمت کے لیے دین بنا دیا۔اب اگر کوئی شخص نبیؐ کے قول وفعل سے بے نیاز ہوکر اللہ کی کتاب کو پکڑے گا تو وہ اس کے ضروری اَحکام بجالانے میں سخت ناکام ثابت ہوگا۔یہی وجہ ہے کہ حدیث کا انکار کرنے والوں کے ہاں نمازوں کی تعداد ورکعات کے بارے آج تک کوئی اتفاق رائے نہ ہوسکا، دین وشریعت کے باقی احکام کا مسئلہ تو دور کی بات ہے......! اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے، آمین!

قرآن کی آڑ میں حدیث وسنت سے اعراض کرنے والے کو حضورؐ نے سخت ناپسند کیا:

خود نبی کریم ﷺ نے بھی ایسے شخص کو سخت ناپسند کیا جو قرآن مجید کی آڑ میں حدیث وسنت سے اعراض کرنے والا ہو، چنانچہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا:

((آلَااِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْکِتَابَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ آلَایُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰی اَرِیْکَتِهٖ یَقُوْلُ عَلَیْکُمْ بِهٰذَا الْـقُرْاٰنِ فَـمَا وَجَدْتُّمْ فِیْهِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْهُ وَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ آلَا لَایَحِلُّ لَکُمْ لَحْمُ الْحِمَارِ الْاَهْلِیِّ وَلَا کُلُّ ذِیْ نَابٍ مِنَ السَّبُعِ وَلَالُقْطَةُ مُعَاهِدٍ اِلَّااَنْ یَّسْتَغْنِیَ عَنْهَاصَاحِبُهَا))

''لوگو! سن لو، مجھے اللہ کی طرف سے قرآن ہی کی طرح ایک اور چیز [یعنی حدیث] بھی دی گئی ہے۔ خبردار! ایک وقت آئے گا کہ ایک پیٹ بھرا شخص اپنی مسند پر تکیہ لگائے بیٹھا ہوگا اور وہ کہے گا: ''لوگو! تمہارے لیے قرآن ہی کافی ہے، اس قرآن میں جو چیز حلال ہے بس وہی حلال ہے اور جو اس میں حرام ہے بس وہی حرام ہے۔'' (پھر آپؐ نے فرمایا:) لوگو سنو! گھریلو گدھا بھی تمہارے لیے حلال نہیں ہے اور نہ ہی کچلی والے درندے تمہارے لیے حلال ہیں اور نہ ہی کسی ذمی کی گری پڑی چیز تمہارے لیے حلال ہے، ہاں البتہ اگر اس کے مالک کو اس کی ضرورت ہی نہ ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔''(۱)

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''جو کچھ اللہ کا رسولؐ حرام قرار دے دے، وہ ایسے ہی حرام ہے جیسے اللہ کی حرام کردہ چیزیں ہیں۔''(۲)

کتابِ ہدایت:

گزشتہ بحث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے کتابِ ہدایت بنا کر نازل کیا ہے اور یہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی آخری کتابِ ہدایت ہے، اس لیے اس کے ہر مضمون کی تہہ میں انسانوں کو کوئی نہ کوئی ہدایت دی جا رہی ہوتی ہے حتیٰ کہ اس کے وہ حصے جن میں مختلف قوموں اور لوگوں کی حکایات و قصص کا بیان ہے، وہاں بھی قرآن مجید نے اُس پہلو کو زیادہ اُجاگر کیا جو انسانوں کی اصلاح وہدایت سے تعلق رکھتا تھا۔

(۱) [سنن ابوداؤد، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة (ح ۴۵۹۳)]

(۲) [سنن ابن ماجه، المقدمه، باب تعظیم حدیث رسول الله...... (ح ۱۲)]

ذیل میں چند ایسی آیات ملاحظہ فرمائیں جن میں قرآن مجید کو کتاب ہدایت کہا گیا ہے:

(١) : ﴿ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾[سورة البقرة:٢]

''یہ ایسی کتاب ہے کہ اس (کے کتاب اللہ ہونے) میں کوئی شک نہیں۔ متقی لوگوں کے لیے راہ دکھانے والی ہے۔''

(٢) : ﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ﴾ [سورة البقرة :١٨٥]

''رمضان وہ مہینا ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا، جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق و باطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں۔''

(٣) : ﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾[سورة آل عمران:١٣٨]

''یہ (قرآن) تو لوگوں کے لیے بیان ہے اور پرہیزگاروں کے لیے ہدایت و نصیحت ہے۔''

(٤) : ﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَّ رَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴾ [سورة النحل :٨٩]

''ہم نے تجھ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے اور (یہ کتاب) ہدایت، رحمت اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے۔''

(٥) : ﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتٰبٍ مُّبِيْنٍ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾[سورة النمل :٢]

''یہ آیتیں ہیں قرآن کی اور روشن کتاب کی۔ جو ہدایت اور خوشخبری ہے ایمان والوں کے لیے۔''

(٦) : ﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴾[سورة لقمان :٣]

''یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں، جو نیکوکاروں کے لیے رہبر اور رحمت ہے۔''

(٧) : ﴿ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴾[سورة عبس:١١]

''یہ قرآن تو نصیحت کی چیز ہے، پس جو چاہے اسے قبول کرے۔''

......☆......

[3].....اللہ کی محفوظ کردہ واحد کتاب

قرآن مجید چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کا آخری سرچشمہ ہے جسے قیامت تک آنے والے تمام لوگوں کے لیے باعثِ ہدایت اور معیارِ نجات قرار دیا گیا ہے، اس لیے ضروری تھا کہ اسے قیامت تک کے لیے اسی طرح محفوظ بنا دیا جاتا جس طرح کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل ہوا تھا اور اگر اس میں ذرا سی بھی تحریف ہو جاتی تو اس پوری کتاب کی حیثیت مشکوک ہو جاتی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے ہر قسم کے ردوبدل سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری اٹھائی اور ارشاد فرمایا:

﴿ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴾[سورة الحجر:۹]

''ہم نے اس ذکر (قرآن/وحی) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت بھی کریں گے۔''

اس آیت میں ذکر سے مراد بعض اہل علم کے بقول قرآن مجید ہے اور بعض کے بقول وحی ہے۔ وحی ہونے کی صورت میں قرآن کے علاوہ حدیث بھی اس میں شامل سمجھی جائے گی۔ گویا دونوں صورتوں میں قرآن کی حفاظت کا انتظام اللہ کے طرف منسوب ہے۔ قرآن مجید کی حفاظت تو ظاہر ہے بندوں کے ذریعے ہوئی ہے مگر اس حفاظت کے لیے سازگار حالات پیدا کرنا اور بندوں کے لیے اسے محفوظ رکھنا ممکن العمل بنانا، یہ سب اللہ ہی کی مشیت سے ممکن ہوا۔ اللہ کی طرف سے قرآن کی حفاظت کرنے کا یہی مفہوم ہے۔

جب قرآن مجید اللہ کے نبیؐ پر نازل ہوتا تو آپؐ اس خدشہ سے اسے فوراً دہرانے لگتے کہ کہیں یہ بھول نہ جائے، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے سے روک دیا اور آپ کا یہ خدشہ دور کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴾[سورة القيمة:١٦ تا١٨]

''(اے نبیؐ!) آپ قرآن کو جلدی (یاد کرنے) کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ ہم جب اسے پڑھ لیں تو آپؐ اس کے پڑھنے کی پیروی کریں پھر اس کا واضح کر دینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔''

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی بات ارشاد فرمائی کہ نبیؐ کے سینہ میں قرآن محفوظ کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

قرآن مجید کی حفاظت کے سلسلہ میں ایک بات تو یہ یاد رہنی چاہیے کہ اسے اس کی اصل حالت میں پوری صحت کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا اور دوسری بات یہ کہ اسے اس کی اصل حالت میں قیامت تک کے لیے محفوظ رکھنے اور ہر طرح کے تغیر و تبدل اور حوادثِ زمانہ سے بچانے کا بھی اہتمام کر دیا گیا۔ دیگر آسمانی کتابوں کے مقابلہ میں یہ صرف قرآن مجید کا امتیاز ہے کہ اس کے ساتھ یہ دونوں صورتیں قائم رکھی گئی ہیں۔ یہ چونکہ خدائی فیصلہ تھا، اس لیے قرآن مجید کے بارے اللہ تعالیٰ نے اُصولی انداز میں یہ بات ارشاد فرمادی:

(۱) : ﴿ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾[سورۃ البقرۃ:۲]

''یہ ایسی کتاب ہے کہ اس (کے کتاب اللہ اور محفوظ ہونے) میں کوئی شک نہیں۔ متقی لوگوں کے لیے راہ دکھانے والی ہے۔''

(۲) : ﴿ لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴾[سورۃ فصلت:۴۲]

''یہ بڑی باوقعت کتاب ہے، جس کے پاس باطل پھٹک نہیں سکتا، نہ اس کے آگے سے اور نہ اس کے پیچھے سے۔ یہ حکمتوں والے، خوبیوں والے (اللہ) کی طرف سے نازل کردہ ہے۔''

نزولِ قرآن:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید کے نزول کا آغاز ماہِ رمضان میں ہوا۔ رمضان اگرچہ ایک بابرکت مہینا قرار دیا گیا ہے، تاہم اس کی ایک رات (لیلۃ القدر) کو پورے سال کے شب و روز سے زیادہ فضیلت دی گئی ہے یہاں تک کہ اس رات کی عبادت کو ہزار مہینوں کی عبادت سے افضل قرار دیا گیا اور اسی رات قرآن مجید کے نزول کی ابتداء ہوئی۔ قرآن مجید میں ایک جگہ اسی چیز کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

(۱) : ﴿ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴾[سورۃ الدخان:۳،۴]

''یقیناً ہم نے اس کتاب (قرآن) کو ایک بابرکت رات میں نازل کیا ہے اور اسی رات ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔''

یہ بابرکت رات کون سی ہے؟ اس بارے دوسری جگہ یہ وضاحت کی گئی کہ یہ لیلۃ القدر ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۲) : ﴿ اِنَّا اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةِ الۡقَدۡرِ ...... لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِّنۡ اَلۡفِ شَهۡرٍ ﴾ [سورۃ القدر :۱،۳]

''ہم نے اس قرآن کو قدر والی رات میں نازل کیا...... قدر والی رات ہزار مہینوں سے افضل ہے۔''

لیلۃ القدر سے مراد رمضان المبارک کے آخری عشرے کی پانچ طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا پورے کا پورا قرآن قدر والی رات نازل کیا گیا، یا اس کا آغاز اس رات ہوا......؟

قرآن مجید کی دیگر آیات اور بعض صحیح اَحادیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید ایک ہی مرتبہ نازل نہیں ہوا بلکہ اسے تھوڑا تھوڑا کر کے کم وبیش تیئیس (۲۳) سالوں میں نازل کیا گیا۔ اس لیے مذکورہ بالا آیات میں اس کے نزول سے مراد مکمل نزول نہیں بلکہ ابتدائے نزول ہے۔ یعنی نزولِ قرآن کا آغاز اس رات سے ہوا۔ (واللہ اعلم!)

حفاظتِ قرآن اور جمع وتدوینِ قرآن:

قرآن مجید کی حفاظت اور جمع وتدوین کے بارے جو تاریخ ہم تک پہنچی ہے اس میں اتنا رطب ویابس جمع ہو چکا ہے کہ ایک عام قاری کے لیے اصل صورتحال سمجھنا بعض اوقات بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ آئندہ سطور میں اس بارے راقم الحروف اپنا حاصلِ مطالعہ پیش کر رہا ہے۔ امید ہے اسے ایک نظر دیکھ لینے سے حفاظت قرآن اور جمع وتدوینِ قرآن کا پورا نقشہ قارئین کے سامنے آجائے گا۔

۱)...... عہد نبویؐ اور حفاظتِ قرآن:

عہد نبویؐ میں قرآن مجید کی حفاظت کے لیے دو طریقۂ کار اختیار کیے گئے؛ ایک کتابت اور دوسرا حفظ۔ جب قرآن مجید کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو وہ آنحضرت ﷺ کے دل پر نقش کر دیا جاتا اور آپ ﷺ کو وہ اس طرح یاد کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی جس طرح ہم لوگ کسی چیز کو یاد کرتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ اپنے اصحاب میں سے کسی کاتبِ وحی کو بلواتے اور اسے وہ حصہ لکھوا دیتے۔ کتابتِ وحی کی ذمہ داری پر کئی صحابہ مامور تھے تاکہ دن یا رات کے کسی بھی حصہ میں قرآن کی کوئی آیت نازل ہو تو اسے لکھنے والا کوئی نہ کوئی صحابی موجود ہو۔ بطورِ مثال صحیح بخاری کی ایک روایت ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت:

﴿ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾

نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زید کو میرے پاس بلاؤ اور ان سے کہو کہ وہ تختی ،دوات اور (اونٹ کے) شانے کی ہڈی (یعنی لکھنے کا سامان) لے کر آئیں ،جب وہ آ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ آیت لکھوائی۔''(۱)

قرآن مجید کے اَجزاءِ مختلف اَوقات میں منتشر طور پر نازل ہوئے اور جب کوئی حصہ نازل ہوتا تو اس وقت کبھی کوئی صحابی آپؐ کے پاس ہوتا اور کبھی کوئی اور۔اس لیے پورا قرآن مختلف صحابہ کے ذریعے مختلف پارچوں،صحیفوں اور اجزاء میں لکھا تو ضرور گیا مگر کسی مستند روایت سے ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کسی ایک ہی صحابی نے آپؐ سے سن کر پورا قرآن آپ کی موجودگی میں ایک ہی مصحف میں مرتب انداز میں لکھ رکھا ہو، بلکہ تدوینِ قرآن کا یہ کام آپ کے بعد صحابہ نے انجام دیا۔

آنحضرتؐ نے جو قرآن مجید اپنے کاتبوں کو لکھوایا،اس میں یہ بات تو صحیح روایات سے معلوم ہوتی ہے کہ قرآن کی سورتوں کی داخلی ترتیب (یعنی ترتیبِ آیات) آپ کے حکم سے کی گئی مگر کسی صحیح روایت سے واضح طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ تمام سورتوں کی ترتیب بھی ان تحریروں اور مصاحف میں آپؐ ہی نے کروائی تھی۔ اس لیے جمہور علماء کی رائے یہی ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیتوں کی ترتیب توقیفی [مبنی بروحی] ہے مگر تمام سورتوں کی ترتیب توقیفی نہیں بلکہ اس میں صحابہ کا اجتہاد بھی داخل ہے۔

قرآن مجید کو چونکہ یاد بھی کیا جاتا تھا،نمازوں میں تلاوت بھی کی جاتی اور ایک دوسرے سے قرآن سیکھنے سکھانے کا عمل بھی ذوق وشوق سے جاری رہتا تھا،اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شروع ہی سے قرآن کی ہر سورت کو ایک خاص ترتیب سے یاد کرواتے ۔اسی ترتیب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی قرآن کی تلاوت فرماتے اور یہی وہ ترتیب ہے جو تدوینِ قرآن کے لیے آپؐ کے بعد آپؐ کے صحابہؓ نے اختیار فرمائی اور تواتر کے ساتھ آج ہمارے پاس پہنچی۔

گویا عہد نبویؐ میں قرآن مجید پورے کا پورا لکھا تو ضرور گیا مگر یہ مختلف اجزاء،صحائف وغیرہ کی شکل میں تھا اور یہ تمام منتشر اجزاء کسی ایک ہی صحابی کے پاس جمع نہیں تھے،حتی کہ جو صحابہ کتابتِ وحی پر مامور تھے،ان

(۱) [صحيح بخاری ، كتاب فضائل القرآن ،باب كاتب النبیؐ (ح ۴۹۹۰)]

میں سے بھی کسی ایک ہی کے پاس یہ تمام اجزاء نہیں تھے بلکہ کوئی جز کسی کے پاس تھا اور کوئی کسی اور کے پاس۔ کسی نے کوئی ایک سورت لکھ رکھی تھی اور کسی نے کوئی دوسری۔ پھر یہی تمام اجزاء عہد صدیقی میں ایک جگہ جمع کر لیے گئے اور عہد عثمانی میں انہیں کتابی شکل میں مدون کر کے تمام بلادِ اسلامیہ میں پھیلا دیا گیا۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ عہدِ نبویؐ میں کئی ایک صحابہ نے مرتب شکل میں پورا قرآن مجید لکھ رکھا تھا، مگر اس کا کوئی مستند حوالہ دستیاب نہیں اور اگر کوئی حوالہ مستند ہے تو اس میں اس چیز کی صراحت ہی مذکور نہیں۔ اس لیے اس سے استدلال محلِ نظر ہے مثلاً صحیح بخاری میں ایک روایت ہے:

((قَالَ قَتَادَةُ: سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ : مَنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ؟ قَالَ: أَرْبَعَةٌ كُلُّهُمْ مِّنَ الْأَنْصَارِ، أُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَ أَبُوْ زَيْدٍ))

''قتادہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کس نے قرآن جمع کیا تھا؟ انہوں نے جواب دیا، چار بندوں نے اور وہ چاروں انصاری تھے یعنی ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید رضی اللہ عنہم۔''(۱)

اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ ان چار صحابہ نے پورا قرآن کتابی شکل میں جمع کر لیا تھا، اگر یہی مطلب ہوتا تو پھر عہد صدیقی میں جب سرکاری سطح پر قرآن مجید کے تحریری حصے جمع کرنے کی بہت بڑی کوشش کی گئی تو آخر ان چار صحابہ سے وہ مرتب و مکمل نسخے پہلے ہی کیوں نہ حاصل کر لیے گئے اور اتنی بڑی زحمت کیوں اٹھائی گئی۔ جبکہ ان چار میں شامل حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اس محنت طلب کام کے بذات خود نگران بھی تھے اور عہد نبویؐ میں کتابتِ وحی پر مامور بھی رہے تھے۔

پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ عہد نبویؐ میں ان چار صحابہ کے علاوہ اور بھی کئی صحابہ قرآن مجید کے اجزاء اپنے مصاحف میں لکھتے رہے ہیں مثلاً حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم۔

اس لیے اس روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بات کا مطلب یا تو یہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے مشاہدہ کی بنیاد پر یہ بیان کیا ہے کہ ان چار حضرات نے قرآن مجید کا جتنا بڑا حصہ جمع کیا، اتنا کسی اور کے پاس نہ تھا۔ یا پھر سائل کا سوال یہ تھا کہ عہد نبویؐ میں کتابتِ قرآن کے لیے کن لوگوں کو ذمہ دارانہ حیثیت سے متعین کیا گیا، تو اس کے جواب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتادیا کہ وہ یہ چار صحابہ تھے۔

(۱) [صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب القراء من اصحاب النبی ﷺ (۵۰۰۳)]

اسی طرح صحیح بخاری وغیرہ کی بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مصحف کو دشمن کی سرزمین کی طرف جانے سے منع فرما رکھا تھا۔ اس طرح کی روایات سے بھی بعض لوگوں کو وہی غلط فہمی ہوئی حالانکہ ان روایات میں مصحف سے مراد پورا قرآنِ مجید نہیں ہے کیونکہ جس وقت یہ بات کہی گئی تھی، اس وقت پورا قرآن تو نازل ہی نہیں ہوا تھا بلکہ نزولِ قرآن تو نبی کریمؐ کے آخری وقت تک جاری رہا، اس لیے لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ جن مصاحف کو دشمن کی سرزمین میں لے جانے سے منع کیا جا رہا تھا، وہ ایسے ہی مصاحف ہو سکتے ہیں جن پر قرآن کے کچھ نہ کچھ اجزاء تحریر تھے۔ پھر اس بات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ جن پارچوں پر قرآن کو کوئی حصہ تحریر ہوتا، خواہ کوئی چھوٹی سی سورت ہی ہوتی، تو وہ بھی مصحف ہی کہلاتا تھا۔

۲)......عہدِ صدیقی اور جمع و تدوینِ قرآن:

عربوں کا حافظہ بہت قوی تھا۔ وہ جس چیز کو سنتے جلد ہی یاد کر لیتے۔ قرآن مجید سے محبت کی وجہ سے انہوں نے حفظِ قرآن کی طرف بھرپور توجہ دی اور جونہی انہیں علم ہوتا کہ قرآن مجید کا فلاں حصہ نازل ہوا ہے، تو وہ فوراً اسے یاد کر لیتے اور آگے اپنے اہل و عیال کو بھی یاد کرواتے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دور میں مرد ہی نہیں، بعض خواتین نے بھی مکمل قرآن مجید یاد کر لیا تھا حتیٰ کہ بعض بچوں نے بھی قرآن کی بہت سی سورتیں یاد کر لی تھیں۔

اس طرح عہدِ نبویؐ اور عہدِ صدیقیؓ میں قرآن مجید کے حفاظ کی ایک بڑی تعداد پیدا ہو چکی تھی اور عرب رواج کے مطابق اس وقت تک حفظِ قرآن ہی کا اہتمام کیا جاتا رہا مگر کتابتِ قرآن کی طرف زیادہ پیش رفت نہ ہو سکی۔ اس کی ایک بڑی وجہ تو یہ تھی کہ عربوں کو خداداد حافظہ ملا تھا، اس لیے انہیں قرآن لکھ کر یاد کرنے کی خاص ضرورت ہی پیش نہ آئی۔ پھر کاغذ اور دیگر آلاتِ کتابت کی کمی اور عدمِ دستیابی کی وجہ سے اس طرف رجحان اور کم ہو گیا۔

تیسری وجہ یہ تھی کہ قرآن مجید کتابت کی بجائے حفظ کا زیادہ متقاضی تھا کیونکہ ایک تو نمازوں اور مواعظ و خطبات اور درس و تدریس وغیرہ میں قرآن مجید کی زبانی تلاوت ہی کی زیادہ ضرورت پیش آتی اور دوسرا یہ کہ قرآن مجید کی بعض قراءتیں ایسی تھیں جو صرف تلاوت اور اَدا سے تعلق رکھتی تھیں اور انہیں ضبطِ تحریر میں لانا ممکن ہی نہ تھا جس طرح اِمالہ اور اِشمام وغیرہ کے طریقے ہیں۔ اس لیے قرآن کی تلاوت اور حفظ کی طرف جتنی توجہ دی گئی، اتنی کتابت کی طرف نہ دی جا سکی۔ البتہ عہدِ صدیقی میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس

نے سرکاری سطح پر کتابتِ قرآن کی ضرورت کو اُجاگر کیا۔ ہوا یوں کہ مسیلمہ کذاب کے خلاف جنگِ یمامہ میں جو مسلمان شہید ہوئے ان میں زیادہ تعداد حفاظ کرام کی تھی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہنے لگے:

((إِنَّ الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحَرَّ يَوْمَ الْيَمَامَةِ بِقُرَّاءِ الْقُرْآنِ وَإِنِّي أَخْشٰى أَنْ يَسْتَحِرَّ الْقَتْلُ بِالْقُرَّاءِ بِالْمَوَاطِنِ فَيَذْهَبَ كَثِيرٌ مِّنَ الْقُرْآنِ وَإِنِّي أَرٰى أَنْ تَأْمُرَ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ))

''جنگِ یمامہ میں قرآن کے حافظوں کی بڑی تعداد شہید ہوگئی ہے اور مجھے خدشہ ہے کہ دیگر علاقوں میں برپا جنگوں میں بھی اگر حفاظِ قران کی بڑی تعداد اس طرح شہید ہوگئی تو قرآن مجید کا بڑا حصہ تلف ہو جائے گا۔ اس لیے میرا خیال یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو (سرکاری طور پر ایک جگہ) جمع کرنے کا حکم جاری کریں۔''(۱)

لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم ایک ایسا کام کس طرح کر سکتے ہو جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی زندگی میں) نہیں کیا! تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے اللہ کی قسم! یہ تو ایک کارِ خیر ہے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ بات مجھ سے بار بار کہتے رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں میرا سینہ کھول دیا اور میری بھی وہی رائے ہوگئی جو عمر کی تھی۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کام کے لیے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم جوان اور عقلمند ہو اور تمہارے بارے میں ہم کوئی الزام بھی نہیں لگا سکتے۔ علاوہ اَزیں تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی بھی لکھتے رہے ہو اس لیے تم قرآن مجید کو پوری تلاش اور محنت کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دو۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ مجھے یہ کہتے کہ فلاں پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ کر دو تو یہ کام میرے لیے اتنا مشکل نہ تھا جتنا یہ مشکل تھا کہ میں قرآن کو جمع کرتا۔ چنانچہ میں نے کہا کہ جس کام کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی زندگی میں) نہ کیا تھا تم لوگ اسے کیوں کرنا چاہتے ہو؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ کی قسم! یہ خیر و بھلائی کا کام ہے اور وہ بار بار مجھ سے یہی کہتے رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی طرح میرا سینہ بھی کھول دیا۔ چنانچہ میں نے قرآن مجید (جو مختلف چیزوں پر لکھا ہوا موجود تھا) کی تلاش شروع کر دی اور قرآن مجید کو کھجور کی چھلی ہوئی شاخوں، پتھر کی سلوں اور لوگوں کے سینوں

(۱) [صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن (ح ٤٩٨٦)]

کی مدد سے جمع کرنے لگا۔ یہاں تک کہ سورۂ توبہ کی آخری آیتیں مجھے ابوخزیمہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس سے لکھی ہوئی ملیں۔ یہ چند آیات ان کے سوا کسی اور کے پاس سے (لکھی ہوئی) حالت میں مجھے نہ مل سکیں۔ (۱)

صحیح بخاری کی اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ "قرآنِ مجید کے جو مختلف صحیفے (اجزاء) ہم نے اس طرح جمع کیے، وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ رہے پھر ان کی وفات کے بعد یہ صحیفے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات تک ان کے پاس رہے اور ان کے بعد یہ ان کی بیٹی اور حضور کی زوجہ مطہرہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی تحویل میں چلے گئے۔"

بعض روایات میں ہے کہ حضرت زید کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ قرآن مجید کے کسی بھی لکھے ہوئے جز کو اس وقت تک قبول نہ کریں جب تک کہ اس کے بارے دو عادل گواہ یہ گواہی نہ دے دیں کہ ہاں یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھا گیا تھا۔ پھر حضرت زید رضی اللہ عنہ خود بھی قرآن کے حافظ تھے اور وہ اپنے حافظے سے بھی مدد لیتے تھے۔ علاوہ ازیں اس اہم ترین کام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو قرآن کے حافظ تھے وہ بھی ان کے ساتھ شریک کیے گئے اور ان کے بارے بھی یہ جانتے ہیں کہ وہ گواہی کے معاملے میں کتنے محتاط تھے۔

اس طرح پوری احتیاط کے ساتھ قرآن مجید کے اجزاء کو ایک جگہ جمع کر لیا گیا۔ آیات کی ترتیب وہی تھی جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر فرمائی ہوئی تھی، مگر سورتیں مرتب نہ تھیں بلکہ ہر سورت علیحدہ طور پر لکھی گئی تھی۔ علاوہ ازیں قراءتِ قرآن کی جو سات مختلف نوعیتیں تھی، ان کا بھی اس میں اہتمام کیا گیا۔ اور اس میں کوئی ایسی آیت درج نہیں کی گئی جس کی تلاوت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منسوخ قرار دے دی تھی۔ (۲)

گویا یہ قرآن مجید کا پہلا اور مکمل تحریری نسخہ تھا، اس کے علاوہ پہلے سے موجود مختلف صحائف میں سے کسی کے بارے یقینی طور پر مکمل قرآنی نسخہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر بالفرض یہ دعویٰ کسی مصحف کے بارے میں کیا جا سکتا ہو بھی تو اس میں قرآنی متن کے ساتھ حواشی اور ذاتی یادداشتوں کا اختلاط بھی تھا مثلاً حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مصحف میں حافظوا علی الصلوات والصلاۃ الوسطی...... الآیۃ

(۱) [صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن (ح ۴۹۸۶)]

(۲) [دیکھیے: الاتقان فی علوم القرآن، از علامہ سیوطی (ج ۱ ص ۲۰۷ تا ۲۱۳) مناھل العرفان، از عبدالعظیم زرقانی (ج ۱ ص ۲۴۶، ۲۴۷)]

کے بعد صلاۃ العصر کا اضافہ تھا جبکہ یہ الفاظ قرآن کا حصہ نہیں ہیں۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مصحف کے بارے روایات میں آتا ہے کہ اس میں معوذتین شامل نہ تھیں بلکہ اس جگہ انہوں نے دعائے قنوت لکھ رکھی تھی۔

۳)......عہد عثمانی اور جمع و تدوینِ قرآن:

عہد صدیقی میں یہ اطمینان تو ہو گیا کہ مکمل قرآنی مصحف ایک جگہ یکجا کر لیا گیا ہے تا کہ حسبِ ضرورت یہ کام آسکے، مگر اس کی نقول تیار کر کے بلادِ اسلامیہ میں تقسیم نہ کی گئیں اور نہ ہی اس کی ضرورت محسوس ہوئی بلکہ لوگوں کو اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے مصاحف کی صحت کے لیے جب چاہیں، اس مصحف سے آ کر تقابل کر لیں۔ البتہ عہد عثمانی میں جب فتوحات کا دائرہ بہت بڑھ گیا اور بہت سے عجمی بھی اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے، تو کچھ نئے مسائل پیدا ہونے لگے اور قریب تھا کہ قرآن مجید کے بارے کوئی بہت بڑا فتنہ رونما ہو جائے۔ ان حالات میں حضرت عثمان غنیؓ نے دیگر صحابہ کے مشورے سے تدوین قرآن کے سلسلہ میں ایک اور قدم اٹھایا اور امت کو کسی بڑے فتنے میں مبتلا ہونے سے بچا لیا۔ ان کے اس اِقدام کی وجہ سے انہیں جامع القرآن کہا جاتا ہے۔

یہ کون سے مسائل تھے اور کون سا فتنہ پیدا ہوئے چاہتا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کون سا اقدام کیا، اس کی تفصیلات سمجھنے کے لیے تھوڑا سا پس منظر ضروری ہے:

قراءتِ قرآن کی سات مختلف نوعیتیں (سَبْعَةُ اَحْرُفٍ):

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا۔ مکہ میں بسنے والے مختلف قبائل کی بنیادی زبان عربی ہی تھی مگر ایک ہی مضمون و مدعا کو بیان کرنے کے لیے لب و لہجے اور اسلوب میں فرق تھا۔ ایک قبیلہ کے لوگ ایک بات کو مختلف انداز و لہجے سے بیان کرتے تو اسی بات کو دوسرے کسی اور لہجے سے۔ بالکل اسی طرح جیسے پنجاب میں بسنے والے مختلف لوگوں کی مادری زبان تو پنجابی ہے مگر مختلف علاقوں اور خاندانوں کی پنجابی میں لب و لہجے اور اسلوبِ بیان میں فرق پایا جاتا ہے، حتیٰ کہ ایک ہی مضمون و مدعا کو بیان کرنے کے لیے لب و لہجے کے ساتھ حروف و الفاظ بھی بدل جاتے ہیں مگر مفہوم نہیں بدلتا۔ یہ چیز دنیا کی ہر زبان میں ہمیں نظر آتی ہے چنانچہ لوگوں کی سہولت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی اجازت دی گئی تھی کہ آپ کی امت اپنی ضرورت کے لیے مختلف اَسالیب میں قرآن کی تلاوت کر سکتی ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((اَقْرَاَنِیْ جِبْرِیْلُ عَلٰی حَرْفٍ فَرَاجَعْتُهٗ فَلَمْ اَزَلْ اَسْتَزِیْدُهٗ وَیَزِیْدُنِیْ حَتّٰی انْتَهٰی اِلٰی سَبْعَةِ اَحْرُفٍ))

''مجھے جبریلؑ نے قرآن مجید ایک محاورہ (لہجہ) کے مطابق پڑھایا تو میں نے بااصرار یہ کہا کہ مجھے اور محاوروں میں پڑھنے کی بھی اجازت دی جائے تو وہ (اللہ کے حکم سے) اجازت دیتے گئے حتی کہ سات محاوروں کی مجھے اجازت مل گئی۔''(۱)

بعض روایات میں ہے کہ جب جبریلؑ نے ایک محاورے کے مطابق آنحضرت ﷺ کو قرآن پڑھایا تو آپ ﷺ نے کہا کہ ''میں اللہ سے اس کی عافیت و مغفرت طلب کرتا ہوں، میری امت (مشقت میں پڑ جائے گی اور صرف) ایک ہی محاورے پر قرآن پڑھنے کی طاقت نہ رکھے گی۔ چنانچہ حضرت جبریلؑ اللہ کے پاس سے ہوکر دوبارہ آئے اور کہا کہ اپنی امت کو دو محاوروں کے مطابق قرآن پڑھائیں۔ اس مرتبہ بھی آپؐ نے وہی بات کہی کہ میری امت (مشقت میں پڑ جائے گی اور صرف) ایک ہی محاورے پر قرآن مجید پڑھنے کی طاقت نہ رکھے گی، چنانچہ حضرت جبریلؑ پھر اللہ کے پاس سے ہوکر آئے اور کہا کہ اپنی امت کو تین محاوروں کے مطابق قرآن پڑھائیں۔ اس مرتبہ بھی آپؐ نے وہی بات کہی جو پہلی مرتبہ کہی تھی، چنانچہ اس طرح سات مرتبہ ہوا اور آپؐ نے اپنی امت کے لیے سات محاورں میں قرآن پڑھنے کی اجازت حاصل کرلی۔''(۲)

ان اَحادیث میں سات محاوروں کی اجازت کا ذکر ہے اور ان کے لیے اصل الفاظ سَبْعَةُ اَحْرُفٍ استعمال ہوئے ہیں، جن کا معنی و مفہوم متعین کرنے میں اہل علم کا زبردست اختلاف ہے۔ علم قراءات کے ماہر علماء مثلاً علامہ ابن جزری، امام ابن قتیبہ وغیرہ اور ان کے علاوہ کئی اور محققین کے بقول سَبْعَةُ اَحْرُفٍ سے مراد ''سات قراءتیں'' نہیں کیونکہ قراءتیں تو سات سے زیادہ ہیں، بلکہ ان کے نزدیک سَبْعَةُ اَحْرُفٍ سے مراد ''اختلافِ قراءت کی سات مختلف نوعیتیں'' ہے اور دیگر تمام آراء کے مقابلہ میں یہی رائے دلائل کے لحاظ سے سب سے قوی ہے۔

(۱) [صحیح بخاری، کتاب فضائل قرآن، باب انزل القرآن علی سبعة احرف ......(ح ۴۹۹۱)]

(۲) [صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب بیان ان القرآن انزل علی سبعة احرف (ح ۸۲۱)]

پھر اختلافِ قراءت کی سات مختلف نوعیتوں سے کیا مراد ہے، اس کے تعین میں بھی اہل علم کا اختلاف ہے مگر یہ اختلاف اعتباری ہے، نتیجے کے اعتبار سے قراءات میں اس سے کوئی فرق واقع نہیں ہوتا کیونکہ اختلافِ قراءات کی مختلف نوعیتوں کو تو اہلسنہ کے سب علماء تسلیم کرتے ہیں مگر ان کی درجہ بندی اور تفصیل میں اختلاف کیا گیا ہے مثلاً:

بعض اہل علم کے نزدیک اختلافِ قراءت کی سات مختلف نوعیتوں سے مراد یہ سات نوعیتیں ہیں:

۱)......مفرد اور جمع کا اختلاف، یعنی کسی قراءت میں قرآن کا کوئی لفظ مفرد ہے اور کسی میں وہی جمع جیسے تمت كلمة ربك اور تمت كلمات ربك۔ ایک میں كلمة ہے اور دوسری میں كلمات ۔

۲)......مذکر اور مونث کا اختلاف، یعنی کسی قراءت میں قرآن کا کوئی لفظ مذکر ہے اور کسی میں وہی مؤنث جیسے لا يقبل اور لا تقبل۔

۳)......اعراب و حرکات کا اختلاف۔

۴)......صرفی ہیئت کا اختلاف۔

۵)......نحوی ہیئت کا اختلاف۔

۶)......تبدیلیِ حروف کا اختلاف۔

۷)......لہجوں کا اختلاف۔

نظام الدین نیشاپوریؒ نے اپنی تفسیر غرائب القرآن میں اختلافِ قراءات کی سات نوعیتوں کی مذکورہ بالا درجہ بندی امام مالک کی طرف منسوب کی ہے جبکہ بعض اہل علم کے نزدیک اختلافِ قراءات کی سات مختلف نوعیتوں سے مراد درج ذیل سات نوعیتیں ہیں:

۱)......اسماء کا اختلاف۔ (مفرد و جمع اور مذکر و مؤنث کا اختلاف بھی اس میں شامل ہے)

۲)......افعال کا اختلاف۔

۳)......اعراب و حرکات کا اختلاف۔

۴)......الفاظ کی کمی بیشی کا اختلاف۔

۵)......تقدیم و تاخیر کا اختلاف۔

۶)......تبدیلیِ حروف کا اختلاف۔

۷)......لہجوں کا اختلاف۔ [۱]

یاد رہے کہ اختلافِ قراءات کی درج بالا صورتوں میں قرآنی آیات کے ظاہری معنی اور اجمال و تفصیل کی حد تک تو فرق پیدا ہوتا ہے مگر اس سے قرآنی مفہوم و مدعا میں کوئی تضاد و تناقض واقع نہیں ہوتا جیسا کہ ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ ''قرآن مجید کو جن سات محاوروں میں پڑھنے کی اجازت دی گئی، ان کی نوعیت یہ ہے کہ تعداد میں سات ہونے کے باوجود وہ (مفہوم و مدعا کے لحاظ سے) ایک ہی کے بمنزلہ ہیں یہاں تک کہ (ایک ہی عبارت کو ان مختلف محاوروں میں اَدا کرنے کے باوجود) حلال و حرام میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔'' [۲]

سَبْعَة أَحْرُف کے بارے گزشتہ سطور میں بخاری و مسلم کی جو دو صحیح اَحادیث بیان کی گئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ سَبْعَة أَحْرُف [یعنی اختلافِ قراءات کی سات مختلف نوعیتوں] کی اجازت امت کی سہولت کے لیے دی گئی مگر اختلافِ قراءات کی یہ اجازت لوگوں کے لیے فتنے کا ذریعہ بننے لگی اور اختلاف قراءات کی بنیاد پر لوگوں میں جھگڑے پیدا ہونے لگے، حتیٰ کہ خود عہدِ نبویؐ میں بھی اس طرح کا ایک آدھ واقعہ پیش آ گیا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ہشام بن حکیم کو سورۂ فرقان نماز میں پڑھتے سنا، میں نے ان کی قراءت توجہ سے سنی تو معلوم ہوا کہ وہ سورت میں ایسے حروف (لہجے) پڑھ رہے ہیں کہ مجھے اس طرح آنحضرت ﷺ نے نہیں پڑھایا، قریب تھا کہ میں ان کا سر نماز ہی میں پکڑ لیتا لیکن میں نے بڑی مشکل سے صبر کیا اور جب ہشام نے سلام پھیرا تو میں نے ان کی چادر گریبان سے پکڑ کر پوچھا: یہ سورت تمہیں کس نے پڑھائی ہے جو ابھی میں نے تم سے سنی؟ انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے یہ پڑھائی ہے۔ میں نے کہا: تم غلط کہتے ہو کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے بھی یہ سورت پڑھائی ہے مگر اس طرح نہیں جس طرح تم نے پڑھی ہے چنانچہ میں اسے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس لے گیا اور اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا کہ میں نے ان کو سورۂ فرقان اس طرح پڑھتے سنا ہے جس طرح آپ ﷺ نے مجھے نہیں سکھائی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ہشام رضی اللہ عنہ سے کہا پڑھو۔ چنانچہ اس نے

(۱) [تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح الباری شرح صحیح بخاری (ج ۹ ص ۲۴)]

(۲) [صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب بیان ان القرآن انزل علی سبعة احرف (بذیل حدیث ۸۱۹)]

وہ سورت پھر اسی طرح پڑھی جس طرح میں نے اس سے سنی تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ہاں یہ اسی طرح نازل ہوئی ہے پھر آپ ﷺ نے مجھ سے کہا کہ تم پڑھو، تو میں نے وہ سورت اس طرح پڑھی جس طرح اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے پڑھائی تھی تو اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے بھی یہی فرمایا کہ یہ اسی طرح نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ قرآن سات حرفوں (محاوروں، لہجوں) میں نازل ہوا ہے پس تمہیں ان میں سے جو آسان لگے اس کے مطابق تم پڑھ لو۔"[1]

یہ اختلاف عہدِ نبویؐ میں پیش آیا، بعد میں بھی اس طرح کے اختلاف کا امکان تھا مگر اللہ کے رسول ﷺ سے قرآن پڑھنے اور سننے والے قراء کی موجودگی میں ایسے کسی بھی اختلاف کو اس بنیاد پر حل کیا جا سکتا تھا کہ اس قراءت کی اللہ کے رسول کی طرف سے اجازت ہے یا نہیں، لیکن بعد میں جب فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا اور عجمیوں کی ایک بڑی تعداد مسلمان ہو گئی اور دوسری طرف بہت سے قراء صحابی بھی شہید ہو گئے تو معلومات اور قراءِ کرام کی کمی کی وجہ سے ایسے بہت سے اختلافات پیدا ہونے لگے، بالخصوص عجمی علاقوں میں۔ اور وہاں ان اختلافات کے حل کے لیے نہ تو ہر وقت کوئی قاری صحابی موجود ہوتا اور نہ کوئی ایسا مستند تحریری مصحف دستیاب تھا کہ جس پر رسم الخط کے ذریعے ان تمام قراءات کا اہتمام بھی ہو جو اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے جائز قرار دی گئی تھیں اور نہ ہی اس کے علاوہ ان اختلافات کے حل کے لیے کوئی اور حتمی فارمولا موجود تھا۔

جب ایسا ہی ایک اختلاف حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں آذربائیجان اور آرمینیہ کے علاقے میں پیش آیا تو اس مسئلہ کے حل کے لیے سنجیدہ طور پر کوشش کی گئی تا کہ اس طرح کے اختلافات کا یقینی طور پر خاتمہ ہو جائے اور امت قرآن مجید کے بارے کسی فتنے کا شکار نہ ہو جائے۔

اب ان اختلافات کے حل کا ایک طریقہ تو یہ تھا کہ صرف ایک ہی قراءت باقی رکھی جاتی اور اس کے سوا ہر قراءت کو ختم کر دیا جاتا مگر اس میں دقت یہ تھی کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے اس چیز کو جائز قرار دیا اور امت کے لیے باعثِ رحمت سمجھتے ہوئے اللہ سے اس کی خصوصی اجازت حاصل کی تو پھر کسی صحابی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اسے ختم کرے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ازراہِ مصلحت دیگر صحابہ

(۱) [صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب انزل القرآن علی سبعۃ احرف (ح ۴۹۹۲) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب بیان ان القرآن انزل علی سبعۃ احرف (ح ۸۱۸)]

کے مشورہ سے یہی اقدام کیا کہ ایک قراءت کے علاوہ باقی سب قراءتوں کو ختم کر دیا، اس لیے پاک و ہند وغیرہ کی موجودہ ایک قراءت کے علاوہ باقی سب قراءتیں غلط ہیں۔ اور بعض لوگ اس بنیاد پر باقی قراءات کو غلط کہتے ہیں کہ یہ قراءات اس رسم الخط کی وجہ سے خود بخود لوگوں میں پیدا ہو گئی تھیں جو حضرت عثمان نے اختیار کیا تھا، لیکن تاریخی حقائق ان دونوں طرح کے نقطہ ہائے نظر کی سراسر تردید کرتے ہیں، علاوہ ازیں قراءِ کرام کے ہاں تسلسل کے ساتھ علم قراءت کا جو سلسلہ چلا آ رہا ہے، وہ بھی اس نقطۂ نظر کی نفی کرتا ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سَبْعَةُ اَحْرُفٍ سے مراد عرب کے سات بڑے قبائل کی لغات ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے اختلافات کو حل کرنے کے لیے یہ کیا کہ ان میں سے ایک قبیلۂ قریش کی لغت کو باقی رکھتے ہوئے باقی چھ لغات کو ختم کر دیا اور قراءات کے موجودہ اختلافات اب اسی ایک ہی لغتِ قریش کے اندر محیط ہیں اور انہوں نے اتنا بڑا اقدم اس بنیاد پر اٹھایا کہ سات لغات کی اجازت کی ایک مخصوص ضرورت تھی اور وہ یہ کہ لوگ نئے نئے اسلام کی طرف آ رہے تھے اور انہیں اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے یہ سہولت دی گئی تھی مگر جب بعد میں اسلام ان کے دلوں میں راسخ ہو گیا اور لغتِ قریش سے وہ مانوس ہو گئے تو باقی لغات کی وہ ضرورت باقی نہ رہی جو پہلے تھی، اس لیے انہوں نے باقی لغات کو ختم کر دیا تا کہ ان کی بنیاد پر قراءات کا اختلاف پیدا نہ ہو۔

یہ نقطۂ نظر سب سے پہلے مشہور مفسر و مؤرخ علامہ ابن جریر طبریؒ نے پیش کیا اور بڑا مشہور ہوا مگر یہ نقطہ نظر بھی درست نہیں۔ اس لیے کہ ان کے سامنے اصل سوال یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چھ لغات کیوں ختم فرمائیں، اس کا جواب اس نقطۂ نظر کے قائلین کے ہاں یہی ہے کہ قراءتِ قرآن میں لوگوں کے باہمی اختلافات کو ختم کرنے کی وجہ سے ایسا کیا گیا۔ اور اگر یہی وجہ تھی تو پھر ایک ہی لغت میں جو اختلافِ قراءات بعد میں بھی باقی رہے، انہیں آخر کیوں باقی رکھا گیا؟ اور ایک لغت کو باقی رکھنے کے باوجود اتنا ہی اختلاف پھر بھی باقی رہا تو باقی لغات کو ختم کرنے سے پھر کیا فائدہ ہوا؟ اس اعتراض کا کوئی تشفی بخش جواب اس نقطہ نظر کے قائلین کے ہاں نہیں ہے۔ اس نقطہ نظر کے کمزور ہونے کی اور بھی کئی وجوہات ہیں۔

ہماری رائے میں اختلافِ قرءات کی بنیاد پر لوگوں میں جو جھگڑے پیدا ہونے لگے، اس کی وجہ علم قراءات سے عدم واقفیت تھی اور ان کے حل کا یہ طریقہ نہ تو درست ہو سکتا تھا کہ لوگوں کو اس بارے بتانے کی بجائے اس علم ہی کو ختم کر دیا جائے اور نہ ہی یہ طریقہ صحابہؓ نے اختیار کیا۔ بلکہ ان کے سامنے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا

ایک واضح نمونہ موجود تھا اور وہ یہ کہ جب اللہ کے رسول ﷺ کے دور میں اسی طرح کا ایک اختلاف حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہ میں پیدا ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ نے بجائے اختلاف قراءت کی گنجائش کو ختم کرنے کے، اس کا یہ حل نکالا کہ دونوں صحابیوں کو اس سے آگاہ کر دیا کہ اس آیت کی قراءت اس طرح بھی ٹھیک ہے جس طرح ہشام رضی اللہ عنہ پڑھتے ہیں اور اس طرح بھی درست ہے جس طرح عمر رضی اللہ عنہ نے سیکھا اور سنا ہے۔

چنانچہ اسی بنیاد پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کیا کہ جو قراءتیں اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت تھیں اور انہیں منسوخ بھی نہیں کیا گیا تھا، آپؓ نے ان قراءتوں سے لوگوں کو آگاہ کرنے کے لیے سرکاری سطح پر ایسے نسخے تیار کروائے جو اپنے رسم الخط کے ذریعے قریب قریب تمام قراءات کا احاطہ کر سکتے تھے اور پھر انہوں نے یہ نسخے بلادِ اسلامیہ میں بھیج دیے اور لوگوں کو پابند کر دیا کہ انہی نسخوں کو اپنے سامنے رکھیں اور ان کے علاوہ ہر وہ نسخہ جو اس سے مطابقت نہ رکھتا ہو، اسے تلف کر دیا جائے۔ متعدد روایات میں ہمیں اس بارے یہی معلومات ملتی ہیں جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ

''حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آرمینیہ اور آذربیجان کی فتح کے سلسلہ میں شام کے غازیوں کے لیے جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھے تاکہ وہ اہل عراق کو ساتھ لے کر جنگ کریں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ لوگوں کے قرآن مجید کی قراءت میں اختلاف کی وجہ سے بہت پریشان تھے، انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: امیر المومنین! اس سے پہلے کہ یہ امت بھی یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح اللہ کی کتاب میں اختلاف کرنے لگے، آپ اس کی خبر لیجیے۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پیغام بھیجا کہ وہ صحیفے (جنہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ذریعے پورے اہتمام سے جمع کیا تھا اور ان پر مکمل قرآن مجید کا متن تحریر تھا) ہمیں دے دیں تاکہ ہم اس سے (کتابی شکل میں) مزید مصاحف کی نقلیں تیار کر لیں پھر اصل ہم آپ کو واپس کر دیں گے۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ سب صحیفے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیے اور انہوں نے زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعد بن عاص، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہم کی یہ ذمہ داری لگائی کہ وہ ان سے مزید مصحف تیار کریں۔ اس گروہ کے تین قریشی صحابیوں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر آپ لوگوں کا قران مجید کے کسی لفظ کے [رسم

الخط کے سلسلہ میں زید رضی اللہ عنہ سے اختلاف ہوتو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا کیونکہ قران مجید قریش ہی کی زبان کے مطابق نازل ہوا تھا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اَصل نسخہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو واپس بھجوادیا اور اس کی تیار کردہ نقلوں میں سے ایک ایک نسخہ اپنی مملکت کے ہر علاقے میں بھجوادیا اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ اس (سرکاری) نسخے کے سوا ہر قرآنی نسخہ (جو اس سے مطابقت نہ رکھتا ہو) جلا دیا جائے۔"(۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف تیار کروائے، ان میں جس رسم الخط کو استعمال کیا گیا اس پر نہ نقطے تھے اور نہ اعراب (حرکات) اور ایسا انہوں نے صرف اس لیے کیا کہ وہ تمام قراءات بھی ان میں سما سکیں جن کا ثبوت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے اور انہیں آپ نے منسوخ بھی نہیں فرمایا۔ اور جہاں یہ ممکن نہ تھا وہاں یہ کیا گیا کہ اگر کسی جگہ دو طرح کی قراءات تھیں تو ایک مصحف میں ایک قراءت کو مدنظر رکھا گیا اور دوسرے میں دوسری قراءت کو، تاکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنی بھی قراءات ثابت ہیں، وہ سب امت کے سامنے آجائیں اور تمام بلادِ اسلامیہ میں پھیل جائیں۔ اس مقصد کے لیے حضرت عثمان نے صرف مصاحف کی نقلوں ہی پر اکتفانہ کیا بلکہ ان میں سے ہر مصحف کے ساتھ ایک قاری بھی بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو ان قراءات کی ادائیگی کی تعلیم بھی دے اور اختلاف کے موقع پر ان میں فیصلہ بھی کر سکے۔

ان قراءِ کرام کی ضرورت اس لیے بھی تھی کہ قرآن مجید کی بعض قراءات ایسی تھیں جو ضبطِ تحریر میں نہیں لا جا سکتی تھیں بلکہ ان کے لیے ادائیگی اور تلفظ کی ضرورت تھی۔

اس کے علاوہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک اہتمام یہ کیا کہ سورتوں کو بھی ایک ترتیب دے دی حالانکہ اس سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے دور میں جب قرآن مجید کے تحریری اَجزاء ایک جگہ جمع کیے گئے، تو اس وقت سورتوں کو ترتیب نہیں دیا گیا تھا۔

گویا اس طرح وہ نسخہ جسے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پوری گواہیوں کے ساتھ تیار کیا تھا، اسے کتابی شکل میں مرتب کر کے اس کی نقلیں بلادِ اسلامیہ میں پھیلا دی گئیں اور اس کے علاوہ بقیہ تمام نسخے ضائع کر دیئے گئے۔ یہ سب اس لیے کیا گیا کہ قرآن مجید اسی شکل میں محفوظ رہے جس شکل میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے سامنے پیش کیا تھا اور جہاں تک اس کی قراءات کے لہجوں اور محاورں میں اختلاف کی گنجائش تھی،

(۱) [صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن (ح ۴۹۸۷)]

وہ بھی اس حد تک باقی رہے جس حد تک اللہ کے رسول ﷺ نے پہلے سے دے رکھی تھی۔ اور وہ تمام نسخے جو نامکمل تھے یا جن میں حواشی، تفسیری اَحادیث، اسبابِ نزول اور ذاتی یادداشتیں وغیرہ بھی لوگوں نے ملا رکھی تھیں، انہیں تلف کر دیا گیا تا کہ ان کی وجہ سے آئندہ کبھی اختلاف کا موقع پیدا نہ ہو سکے۔

اس سلسلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جس جراَت اور دانشمندی سے کام لیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام مسلمان ایک ایسے قرآنی نسخہ پر جمع ہو گئے جس میں صرف اور صرف وہ متن تھا جو قرآن کی حیثیت سے نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا اور اس میں سے کوئی چیز منسوخ بھی نہیں ہوئی تھی اور قراءات کی بنیاد پر ان میں جو جھگڑے شروع ہو چکے تھے، اختلافِ قرءات کی موجودگی کے باوجود وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئے۔ آپ کی اسی خدمت کی وجہ سے آپ کو جامع القرآن کہا جاتا ہے۔

یہ بات بھی یاد رہے کہ آپ کے اس فعل پر دیگر صحابہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ بعض روایات کے مطابق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنا ذاتی نسخہ دینے سے انکار کیا تھا اور اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ نسخوں کو درست نہ سمجھتے تھے اور نہ ہی انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ایسا کوئی اعتراض کیا بلکہ ان کی رائے یہ تھی کہ میرا نسخہ مجھے عزیز ہے، اس لیے یہ میرے پاس رہنے دیا جائے۔ حالانکہ ان کے نسخے میں سورتوں کی ترتیب بھی ان کی اپنی تھی، پھر معوذتین کے بارے ان کا خیال تھا کہ یہ سورتیں قرآن کے جز کے طور پر نہیں بلکہ دم اور تعویذ کے طور پر نازل ہوئی تھیں، اس لیے انہیں مصحف میں لکھنا درست نہیں مگر دیگر صحابہ ان کے اس خیال سے متفق نہ تھے۔ (۱)

اس لیے اگر انہیں یہ اجازت دے دی جاتی تو بہت سے اور صحابہ بھی اس کی اجازت مانگتے، جن کے پاس اپنے ذاتی مصاحف تھے اور ان میں سورتوں کی ترتیب ایک جیسی نہ تھی، اس کے علاوہ ان میں متنِ قرآن کے علاوہ اور معلومات بھی درج تھیں حتی کہ بعض نے تو بے خبری میں آخر تک وہ آیات بھی درج رکھیں، جنہیں بعد میں منسوخ کر دیا گیا تھا۔ اگر ان سب کو اپنے نسخے باقی رکھنے کی اجازت مل جاتی تو شدید خطرہ تھا کہ کل کو یہی نسخے صحتِ قرآن کے بارے شکوک وشبہات کا ذریعہ بن جائیں گے۔ اس لیے ایسے تمام مصاحف کو بہر صورت تلف کر دیا گیا۔

بعض تاریخی روایات میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی سختی کے ساتھ ان کا نسخہ

(۱) [صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ قل اعوذ برب الناس (ح ۴۹۷۷)]

حاصل کر کے ضائع کر دیا۔ اگر یہ روایات درست نہ ہوں تو تب بھی یہ حقیقت ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ نسخوں کے علاوہ اب کوئی اور نسخہ دنیا میں باقی نہیں اور عثمان رضی اللہ عنہ نے جو نسخے تیار کروائے تھے، انہی کی نقول بغیر کسی اختلاف کے بعد میں چلتی رہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تیار کردہ نسخوں میں سے تین اور بقولِ بعض چار نسخے آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ ایک تاشقند میں، دوسرا استنبول میں ''توپ قاپی سرائے میوزیم'' میں (اس نسخہ میں سورۂ بقرہ کی آیت فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ پر سرخ دھبے پائے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو وہ ان آیات کی تلاوت کر رہے تھے اور وہی صفحہ کھلا ہوا تھا جو ان الفاظ سے شروع ہوتا تھا) تیسرا نسخہ ''انڈیا آفس لائبریری'' (لندن) میں ہے اور چوتھا غالبًا دمشق میں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سرکاری اہتمام کے ساتھ امت کو جس طرح ایک محفوظ قرآنی متن پر جمع کیا، اس کے دور رَس اثرات مرتب ہوئے، چنانچہ ان کے بعد جتنے بھی قرآنی مصحف تیار کیے گئے، ان میں کہیں کمی بیشی یا اختلاف نہیں ہے حتی کہ بعض غیر مسلموں نے یہ سوچتے ہوئے ان قلمی نسخوں کو جمع کیا کہ ان میں ضرور اختلافات ہوں گے اور ان اختلافات کی بنیاد پر قرآن کی حقانیت وحفاظت کے بارے شکوک وشبہات پیدا کیے جائیں گے مگر وہ ایسا کرنے میں ناکام ہو گئے۔ ذیل میں ایسی ہی ایک اہم مثال مشہور مؤرخ ڈاکٹر حمید اللہؒ کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیے:

''کچھ عرصہ پہلے کا ذکر ہے، جرمنی کے عیسائی پادریوں نے یہ سوچا کہ حضرت عیسیٰ ؑ کے زمانے میں آرامی زبانوں میں جو انجیل تھی، وہ تو اب دنیا میں موجود نہیں۔ اس وقت قدیم ترین انجیل یونانی زبان میں ہے اور یونانی سے ہی ساری زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یونانی مخطوطوں کو جمع کیا جائے اور ان کا آپس میں مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ یونانی زبان میں انجیل کے نسخے جتنے دنیا میں پائے جاتے تھے، کامل ہوں کہ جزئی، ان سب کو جمع کیا گیا اور ان کے ایک ایک لفظ کا باہم مقابلہ (Collation) کیا گیا۔ اس کی جو رپورٹ شائع ہوئی اس کے لفظ یہ ہیں: ''کوئی دو لاکھ اختلافی روایات ملتی ہیں۔'' اس کے بعد یہ جملہ ملتا ہے: ''ان میں سے ۸/۱۱ اہم ہیں۔'' یہ ہے انجیل کا قصہ۔ غالبًا اس رپورٹ کی اشاعت کے بعد کچھ لوگوں کو قرآن کے متعلق حسد پیدا ہوا۔ جرمنی ہی میں میونک یونیورسٹی میں ایک ادارہ قائم کیا گیا ''قرآن مجید کی تحقیقات کا ادارہ''۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ ساری

دنیا سے قرآن مجید کے قدیم ترین دستیاب نسخے خرید کر، فوٹو لے کر، جس طرح بھی ممکن ہو جمع کیے جائیں۔ جمع کرنے کا یہ سلسلہ تین نسلوں تک جاری رہا۔ جب میں ۱۹۳۳ء میں پیرس یونیورسٹی میں تھا، تو اس کا تیسرا ڈائریکٹر پریتسل Pretzl پیرس آیا تھا تا کہ پیرس کی پبلک لائبریری میں قرآن مجید کے جو قدیم نسخے پائے جاتے ہیں، ان کے فوٹو حاصل کرے۔ اس پروفیسر نے مجھ سے شخصاً بیان کیا کہ اس وقت (یہ ۱۹۳۳ء کی بات ہے) ہمارے انسٹی ٹیوٹ میں قرآن مجید کے بیالیس ہزار (۴۲۰۰۰) نسخوں کے فوٹو موجود ہیں اور مقابلے (Collation) کا کام جاری ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں اس ادارے کی عمارت پر ایک امریکی بم گرا اور عمارت، اس کا کتب خانہ اور عملہ سب کچھ برباد ہو گیا۔ لیکن جنگ کے شروع ہونے سے کچھ ہی پہلے ایک عارضی رپورٹ شائع ہوئی تھی۔ اس رپورٹ کے الفاظ یہ ہیں کہ قرآن مجید کے نسخوں میں مقابلہ کا جو کام ہم نے شروع کیا تھا، وہ ابھی مکمل تو نہیں ہوا لیکن اب تک جو نتیجہ نکلا ہے، وہ یہ ہے کہ ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں تو ملتی ہیں لیکن اختلافاتِ روایت ایک بھی نہیں۔

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ کتابت کی جو غلطی ایک نسخے میں ہوگی وہ کسی دوسرے نسخوں میں نہیں ہوگی مثلاً فرض کیجیے: ''بسم اللہ الرحیم'' میں الرحمٰن کا لفظ نہیں لیکن یہ صرف ایک نسخے میں ہے۔ باقی کسی نسخے میں ایسا نہیں ہے، سب میں ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہے۔ اس کو ہم کاتب کی غلطی کہیں گے۔ یا کہیں کوئی لفظ بڑھ گیا ہے مثلاً ایک نسخے میں ''بسم اللہ اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہے باقی نسخوں میں نہیں ہے، تو اسے کاتب کی غلطی قرار دیں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسی چیزیں کہیں کہیں سہوِ قلم یعنی کاتب کی غلطی سے ملتی ہیں۔ لیکن اختلافِ روایت، یعنی ایک ہی فرق کئی نسخوں میں ملے، ایسا کہیں نہیں ہے۔ یہ ہے قرآن مجید کی تاریخ کا خلاصہ، جس سے ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں خدا کا جو فرمان ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (ہم ہی اسے نازل کرتے ہیں اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے) یہ تمام واقعات جو میں نے آپ سے بیان کیے، اس آیت کی حرف بحرف تصدیق کرتے ہیں۔''[1]

......☆......

(۱) [خطبات بہاولپور، از: ڈاکٹر حمید اللہؒ (ص ۱۶، ۱۷) ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد]

باب۲:

قرآن مجید کی تلاوت

[تلاوتِ قرآن کی فضیلت اور آداب کا بیان]

قرآن مجید کے ساتھ ہمارا دوسرا تعلق یہ ہوناچاہیے کہ ہم ذوق او رشوق کے ساتھ اس کی تلاوت کریں حتی کہ تلاوتِ قرآن کو اپنے روزانہ کے معمولات میں شامل کرلیں۔ تلاوتِ قرآن جہاں قرآنِ مجید سے محبت کی علامت اور اس پر ایمان لانے کا لازمی نتیجہ ہے، وہاں یہ انتہائی اجر و ثواب اور رضائے الٰہی کا ذریعہ بھی ہے ۔اس باب میں تلاوتِ قرآن کے فضائل اور آداب وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

فصل ا:

فضائلِ قرآن

[1].....قرآن مجید کے عمومی فضائل

قرآن مجید کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ یہ اس ذاتِ بابرکات کا کلام ہے جو ساری کائنات کی خالق و مالک ہے۔اور ظاہر ہے کائنات کے مقابلے میں جو حیثیت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہوگی، تمام کتابوں اور کلاموں کے مقابلے میں وہی حیثیت اس کی کتاب قرآن مجید کو حاصل ہونی چاہیے۔اسی لیے ایک حدیث قدسی میں ہے:

((قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :يَقُولُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: مَنْ شَغَلَهُ الْقُرْآنُ عَنْ ذِكْرِيْ وَمَسْأَلَتِيْ أُعْطِيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِيَ السَّائِلِيْنَ وَفَضْلُ كَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلٰى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللّٰهِ عَلٰى خَلْقِهِ))

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:''جس شخص کو قرآن مجید (کے مطالعہ) نے میرا ذکر کرنے اور مجھ سے دعا مانگنے سے روکا، اسے میں دوسرے دعا مانگنے والوں کے مقابلہ میں افضل چیز سے نوازوں گا۔''(اس کے بعد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ)''اللہ کے کلام کو دوسرے کلاموں پر وہی فضیلت حاصل ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر حاصل ہے۔''(۱)

یہ بھی قرآن مجید کی فضیلت ہے کہ جس رات اس کے نزول کا آغاز ہوا، اس رات کو اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر (یعنی قدر و منزلت والی رات) قرار دے دیا اور اس رات کی عبادت کو ہزار مہینوں کی راتوں (یعنی کم وبیش تراسی ۸۳ سال) کی عبادت سے افضل قرار دیا۔

---

(۱) [ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب الارجل یحملن الی قومه لابلغ کلام ربی (باب ۱۵۔ ح ۲۹۲۶) دارمی ایضا، باب فضل کلام الله علی سائر الکلام (ح ۳۲۵۶) اس روایت کو بعض اہل علم (مثلاً علامہ البانی) وغیرہ ضعیف قرار دیتے ہیں مگر بعض اہل علم حسن قرار دیتے ہیں جیسا کہ علامہ عبدالرزاق مہدی نے اسے تفسیر قرطبی کی تخریج میں شواہد کی بنیاد پر حسن قرار دیا ہے۔دیکھیے :تفسیر قرطبی (ج۱ ص ۳۱)]

قرآن مجید کی فضیلت کے بارے بہت سی اَحادیث مروی ہیں۔ بعض اَحادیث کی اِستنادی حیثیت تو ٹھیک نہیں مگر بعض احادیث صحیح و مستند ہیں۔ آئندہ سطور میں ہم فضیلتِ قرآن سے متعلقہ صحیح اَحادیث درج کررہے ہیں جبکہ آگے فصل نمبر تین (۳) میں ہم نے اس بارے مروی ضعیف اَحادیث علیحدہ طور پر جمع کردی ہیں۔

(۱) : ((عن ابی مالك الاشعریؓ قال قال رسول الله ﷺ :اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْعَلَيْكَ))

''حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشادفرمایا: قرآنِ مجید (روزِ قیامت) تمہارے حق میں گواہی دے گا یا پھر تمہارے خلاف گواہی دے گا۔''[۱]

مطلب یہ کہ اگر تم قرآن مجید سے محبت رکھو گے، اسے پڑھو گے، اس کی تعلیمات پر عمل کرو گے تو روزِ قیامت یہ تمہارے حق میں گواہ بن جائے گا اور اللہ کے دربار میں تمہاری سفارش کرے گا اور اگر تم اس سے اِعراض کرو گے اور اس کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل چھوڑ دو گے تو روزِ قیامت یہ تمہارے خلاف اللہ کی عدالت میں گواہ بن کر پیش ہوگا۔

قرآن مجید خود اللہ کا کلام ہے اور روز قیامت اللہ تعالیٰ اسے قوت گویائی عطا فرمائیں گے۔ ظاہر ہے جب یہ کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف گواہی دے گا تو اس کی گواہی کو چیلنج بھی نہ کیا جا سکے گا......!

(۲) : ((عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: اِقْرَءُ وا الْقُرْآنَ فَاِنَّهُ يَاْتِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِّاَصْحَابِهٖ))

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: قرآنِ مجید پڑھا کرو کیونکہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارشی بن کر آئے گا۔''[۲]

اس حدیث میں بھی اسی بات کی وضاحت ہے جو پچھلی حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ آئندہ حدیث میں یہی بات اس طرح بھی مذکور ہے:

(۳) : ((عن جابر قال قال رسول الله ﷺ :اَلْقُرْآنُ شَافِعٌ مُّشَفَّعٌ وَمَاحِلٌ مُّصَدَّقٌ مَنْ جَعَلَهُ اَمَامَهُ قَادَهُ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَنْ جَعَلَهُ خَلْفَ ظَهْرِهٖ سَاقَهُ اِلَى النَّارِ))[۳]

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب فضل الوضوء (ح ۲۲۳) مسند احمد (ج ۵ ص ۳۴۲)]
(۲) [صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب فضل قرأة القرآن وسورة البقرة (ح ۸۰۴)]
(۳) [صحیح ابن حبان (ج ۱ ص ۳۳۱)]

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآنِ مجید (روز قیامت اپنے پڑھنے والوں کی) سفارش کرے گا اور اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔ اور (اپنے پڑھنے والے کے حق میں) یہ جھگڑا کرے گا اور اس کی بات مانی جائے گی۔ جس نے اس قرآن کو اپنا راہبر و رہنما بنالیا، اسے یہ جنت میں لے جائے گا اور جس نے اسے پس پشت ڈال دیا، اسے یہ جہنم میں لے جائے گا۔''

(٤) : ((عن جُبَيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : اَبْشِرُوْا فَاِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ طَرَفُهٗ بِيَدِ اللّٰهِ وَطَرَفُهٗ بِاَيْدِيْكُمْ فَتَمَسَّكُوْا بِهٖ فَاِنَّهٗ لَنْ تَهْلِكُوْا وَلَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا))

''حضرت جبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید کا ایک سرا، اللہ کے ہاتھ میں ہے جبکہ دوسرا سرا تمہارے ہاتھ میں ہے۔ تم اسے مضبوطی سے پکڑ لو اور اگر تم نے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیا تو تم کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔''(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے اور اس پر عمل کرنے والا کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے جب وہ دنیا میں گمراہ ہونے سے بچ گیا تو آخرت میں اللہ کے عذاب سے بھی بچ جائے گا۔

(٥) : ((عن عمرؓ قال اَمَا اِنَّ نَبِيَّكُمْ قَدْ قَالَ: اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ))

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ لوگو سنو! تمہارے نبیؐ نے یہ فرمایا ہے کہ: اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعے بعض لوگوں کو بلندی عطا کرتے ہیں اور اسی کے ذریعے بعض لوگوں کو ذلت اور پستی میں دھکیل دیتے ہیں۔''(۲)

مطلب یہ کہ جو لوگ قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں، قرآن کی برکت سے انہیں دنیا و آخرت دونوں جگہ رفعت و عظمت حاصل ہوتی ہے، اور جو لوگ قرآنی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال دیں، تو اللہ تعالیٰ بھی انہیں ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں خواہ وہ اپنے تئیں کتنا ہی مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے کیوں نہ ہوں۔ اس کی اس سے بڑھ کر عملی مثال کیا ہوگی کہ صحابہ کرامؓ نے قرآن مجید پر صحیح معنوں میں عمل کیا جس کے نتیجے میں انہیں دنیا و آخرت ہر جگہ عزت ملی اور آج ہم قرآن مجید کو عملاً اپنی زندگیوں سے نکال چکے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں ہر جگہ ذلت و ناکامی کا سامنا ہو رہا ہے......!

(١) [صحيح الجامع الصغير(ح٣٤)]
(٢) [صحيح مسلم، كتاب صلوة المسافرين (ح٨١٧)]

[2].....تلاوتِ قرآن کے فضائل

بہت سی صحیح اَحادیث میں تلاوتِ قرآن مجید کی بہت زیادہ فضیلت بیان ہوئی ہے۔ جن میں سے چند ایک کا تذکرہ ذیل میں کیا جارہا ہے:

(۱) : ((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِّنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَلَهُ بِهٖ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا لَا اَقُوْلُ ﴿ الٓمٓ ﴾ حَرْفٌ وَلٰكِنْ اَلِفٌ حَرْفٌ وَلَامٌ حَرْفٌ وَمِيْمٌ حَرْفٌ))

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: جس شخص نے قرآنِ مجید کا ایک حرف پڑھا، اسے اس کے بدلے ایک ایسی نیکی ملے گی جس کا بدلہ دس گنا ہے۔ (یعنی دس نیکیوں کا ثواب ملے گا) اور میری مراد یہ نہیں کہ الٓمٓ ایک حرف ہے بلکہ (اس میں) الف ایک حرف ہے، لام ایک اور حرف ہے اور میم ایک اور حرف ہے۔''[۱]

تلاوتِ قرآن کی فضیلت کے بارے یہ بڑی واضح حدیث ہے۔ اس میں ایک ایک حرف کی فضیلت اور ثواب بیان کردیا گیا تاکہ جو شخص جتنا قرآن پڑھے، اسے خود بھی اندازہ ہوجائے کہ میں نے اس قدر ثواب کا کام کیا ہے۔ پھر یہ ثواب بھی اس قدر زیادہ ہے کہ چند سیکنڈ میں انسان سینکڑوں نیکیاں حاصل کرسکتا ہے اور اگر چند منٹ قرآن مجید کی تلاوت کرلی جائے تو ہزاروں نیکیاں بھی حاصل ہوسکتی ہیں۔

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تلاوتِ قرآن کے علاوہ اور کوئی عمل ایسا نہیں جس کا کرنا انتہائی آسان بھی ہو اور اس کے ذریعے چند سیکنڈ اور چند منٹ کی ہلکی سی محنت سے ہزاروں نیکیاں انسان کو حاصل ہوجائیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے مل جائے......!!

(۲) : ((عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ: اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اِذَا رَجَعَ اِلٰى اَهْلِهٖ اَنْ يَّجِدَ فِيْهِ ثَلَاثَ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ ؟ قُلْنَا نَعَمْ، قَالَ: فَثَلَاثُ آيَاتٍ يَقْرَأُ بِهِنَّ اَحَدُكُمْ فِيْ

---

(۱) [جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی من قرء حرفامن القرآن ماله من الاجر (ح ۲۹۱۰)]

صَلٰوتِہٖ خَیْرٌ لَّہٗ مِنْ ثَلَاثِ خَلِفَاتٍ عِظَامٍ سِمَانٍ))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ہم سے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ جب وہ اپنے گھر واپس جائے تو دیکھے کہ اس کے ہاں تین بڑی، صحت مند اور حاملہ اونٹنیاں کھڑی ہیں؟ ہم نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ! تو آپ نے فرمایا کہ تین آیتیں، جو تم میں سے کوئی شخص اپنی نماز میں پڑھے، یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے گھر پر تین بڑی، صحت مند اور حاملہ اونٹنیاں پائے۔''(۱)

جس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان فرمائی، اس وقت اونٹ عرب میں سب سے قیمتی جانور کی حیثیت رکھتا تھا۔ اب ظاہر ہے اتنا قیمتی جانور کسی کو مفت میں مل رہا ہو تو وہ کسی صورت بھی اس سے انکار نہیں کرے گا۔ آپ نے پہلے یہی کہا کہ اگر کسی کے گھر بغیر محنت ومشقت اور پیسے خرچ کیے تین اونٹنیاں پہنچ جائیں، جو ہوں بھی گابھن، تو کیا وہ اس پر خوش ہوگا؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بیک زبان کہا: کیوں نہیں، تو پھر آپ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص قرآن مجید کی تین آیتوں کی تلاوت کر لے تو یہ ان تین اونٹنیوں سے بھی بہتر ہے۔ اور وہ اس لیے کہ اونٹنیاں اس دنیا کا مال ہے جو یہاں تو کام آئے گا مگر اگلے جہاں یہ کام نہ آئے گا جبکہ قرآن کی آیتیں اگلے جہاں بھی انسان کے کام آئیں گی۔

(۳) : ((عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قال قال رسول الله ﷺ : مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْأُتْرُجَّةِ رِيْحُهَا طَيِّبٌ وطَعْمُهَا طَيِّبٌ وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ لَا رِيْحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ رِيْحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ لَيْسَ لَهَا رِيْحٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ))

''حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو مومن قرآن پڑھتا ہے، اس کی مثال سنگترے [یا، نارنگی] کی سی ہے جس کی خوشبو بھی عمدہ ہوتی ہے اور مزا بھی اچھا ہوتا ہے او جو مومن قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور (چھوہارے) کی سی ہے کہ اس کی خوشبو تو نہیں ہوتی، البتہ اس کا ذائقہ میٹھا ہوتا ہے اور جو منافق قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال خوشبودار پھول کی سی ہے

(۱) [صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل قرآءۃ القرآن فی الصلاۃ (ح ۸۰۲)]

کہ اس میں خوشبو تو ہوتی ہے لیکن اس کا مزا کڑوا ہوتا ہے اور جو منافق قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال اندرائن (ایلوا) کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی کوئی نہیں ہوتی اور مزا بھی کڑوا ہوتا ہے۔''(۱)

معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تلاوت کرنا باعثِ اَجر عمل ہے بشرطیکہ ایمان و اخلاص کی حالت میں تلاوت کی جائے، ورنہ بغیر ایمان و اخلاص کے کی جانے والی تلاوتِ قرآن روزِ آخرت کچھ فائدہ نہ دے گی۔

(٤) : ((عن ابی موسی الاشعری عن النبی ﷺ : اَلْمُؤمِنِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَیَعْمَلُ بِهٖ کَالْاُتْرُجَّةِ ......وَالْمُؤمِنِ الَّذِیْ لَا یَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَیَعْمَلُ بِهٖ کَالتَّمْرَةِ))

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو مومن قرآن پڑھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے اس کی مثال سنگترے کی سی ہے ......اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا لیکن اس پر عمل کرتا ہے اس کی مثال کھجور (چھوہارے) کی سی ہے۔''(۲)

قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والے کے لیے سنگترے کی مثال اس لیے دی گئی ہے کہ یہ ایسا پھل ہے جس کی خوشبو بھی ہے اور ذائقہ بھی عمدہ ہے اور جو قرآن کی تلاوت نہیں کرتا مگر قرآنی احکام پر عمل کرتا ہے، اس کی مثال کھجور سے اس لیے دی گئی کہ کھجور کی پھیلنے والی خوشبو تو نہیں ہوتی مگر اس کا ذائقہ عمدہ ہوتا ہے۔

اس روایت سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ ایک مومن کے لیے تلاوتِ قرآن ہر حال میں باعثِ نفع ہے اور دوسری یہ بات معلوم ہوئی کہ تلاوتِ قرآن کا اصل فائدہ تب ہے جب قرآنی اَحکام پر عمل بھی کیا جائے۔

(٦) : ((عن عبداللہ بن عمرو بن العاص قال قال رسول اللہ ﷺ: مَنْ قَامَ بِعَشْرِ آیَاتٍ لَمْ یُکْتَبْ مِنَ الْغَافِلِیْنَ وَمَنْ قَامَ بِمِائَةِ آیَةٍ کُتِبَ مِنَ الْقَانِتِیْنَ وَمَنْ قَامَ بِاَلْفِ آیَةٍ کُتِبَ مِنَ الْمُقَنْطِرِیْنَ))(۳)

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص دس

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الاطعمة، باب ذکر الطعام (ح ٥٤٢٧) بخاری (ح ١٠٩٩) صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب فضیلة حافظ القرآن (ح ٧٩٧)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب البکاء عند قراءة القرآن (ح ٥٠٥٩)]

(۳) [ابو داؤد، کتاب شهر رمضان، باب تحزیب القرآن (ح ١٣٩٥)]

آیتوں کے ساتھ (نمازِ تہجد کا) قیام کرے، وہ غافلوں میں سے نہیں لکھا جائے گا۔ اور جو شخص سو آیتوں کے ساتھ (نمازِ تہجد کا) قیام کرے اسے فرمانبرداروں میں لکھا جائے گا اور جو شخص ہزار آیتوں کے ساتھ (نمازِ تہجد کا) قیام کرے، اسے ان لوگوں میں لکھا جائے گا جو خزانہ حاصل کرنے والے ہیں۔''

(۷) : ((عَنْ تَمِيْمِ الدَّارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: مَنْ قَرَءَ بِمِائَةِ آيَةٍ فِيْ لَيْلَةٍ كُتِبَ لَهُ قُنُوْتُ لَيْلَةٍ))

''حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے رات کو سو آیتیں پڑھیں، اسے پوری رات کے قیام (نماز) کا ثواب ملے گا۔''(۱)

(۸) : ((عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ : تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ فَاقْرَءُوْهُ فَإِنَّ مَثَلَ الْقُرْآنِ لِمَنْ تَعَلَّمَ فَقَرَءَهُ أَوْ قَامَ بِهِ كَمَثَلِ جِرَابٍ مَحْشُوٍّ مِسْكًا تَفُوْحُ رِيْحُهُ كُلَّ مَكَانٍ وَمَثَلُ مَنْ تَعَلَّمَهُ فَيَرْقُدُ وَهُوَ فِيْ جَوْفِهِ كَمَثَلِ جِرَابٍ أُوْكِيَ عَلٰى مِسْكٍ))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن مجید سیکھو، پھر اس کی تلاوت کرتے رہو۔ یاد رکھو! جب کوئی شخص قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتا ہے، پھر اس کی تلاوت کرتا ہے اور اس کے ساتھ رات کو قیام کرتا ہے تو اس شخص کی مثال اس تھیلے کی مانند ہے جو کستوری سے بھرا ہوا ہے اور اس کی خوشبو ہر جگہ مہک رہی ہے اور اس شخص کی مثال جس نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی اور قرآن اس کے دل میں ہے مگر پھر بھی وہ (غافل ہو کر) سویا رہا، اس تھیلے کی مانند ہے جس میں کستوری بھری ہے (لیکن) اس کا منہ (رسی کے ساتھ) باندھا ہوا ہے۔''(۲)

(۹) : ((عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ :اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِيْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ))(۳)

(۱) [سلسلة الاحاديث الصحيحة (ح ٦٦٤)]

(۲) [جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن ،باب ماجاء فی فضل سورة البقرة وآية الكرسی (ح ٢٨٧٦) ابن ماجه ، المقدمه ، باب فضل من تعلم القرآن وعلمه(ح ٢١٧)]

(۳) [صحيح مسلم ،كتاب صلاة المسافرين ،باب فضل الماهر بالقرآن ......(ح ٧٩٨)]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرآن کا ماہر، قرآن کے لکھنے والے معزز اور پاکیزہ فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن مجید کو اَٹک اَٹک کر اور بڑی مشکل سے پڑھتا ہے، اس کے لیے دوہرا اَجر ہے۔''

تلاوتِ قرآن کے فضائل صرف انسان کی زندگی تک محدود نہیں بلکہ اگر کوئی شخص اپنا قرآن مجید کا نسخہ چھوڑ جائے تو بعد میں جب تک اس نسخے سے قرآن کی تلاوت کی جاتی رہے گی تب تک اس کے نامۂ اعمال میں بھی اجر لکھا جاتا رہے گا جیسا کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ عِلْمًا عَلَّمَهُ وَنَشَرَهُ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ وَمُصْحَفًا وَرَّثَهُ أَوْمَسْجِدًا بَنَاهُ أَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيلِ بَنَاهُ أَوْ نَهْرًا أَجْرَاهُ أَوْصَدَقَةً أَخْرَجَهَا مِنْ مَالِهِ فِيْ صِحَّتِهِ وَحَيَاتِهِ يَلْحَقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ))

''مومن آدمی کو اس کے عمل اور نیکیوں سے اس کی موت کے بعد بھی جو فائدہ ملتا رہتا ہے اس میں یہ چیزیں شامل ہیں: (۱) ایسا علم جس کی اس نے تعلیم دی اور اسے نشر کیا۔ (۲) ایسی اولاد جسے اس نے نیکی کی راہ دکھائی۔ (۳) وہ نسخۂ قرآن جسے اس نے اپنے ورثہ (ترکہ) میں چھوڑا۔ (۴) وہ مسجد جو اس نے تعمیر کی۔ (۵) وہ مسافر خانہ جو اس نے تعمیر کیا۔ (۶) وہ نہر جو اس نے کھدوائی۔ (۷) وہ مال جو اس نے اپنی زندگی میں حالتِ صحت کے ساتھ صدقہ کیا۔''[۱]

......☆......

(۱) [سنن ابن ماجه، المقدمه، باب ثواب معلم الناس الخير (ح۲۴۲) ابن خزيمه (ح۲۴۹۰) شعب الايمان، للبيهقیؒ (ح۳۴۴۸) صحيح الجامع الصغير، للالبانیؒ (ح۲۲۳۱)]

[3].....قرآن مجید سیکھنے، سکھانے اور پڑھنے پڑھانے کے فضائل

قرآن مجید کی تلاوت کی طرح اسے سیکھنے اور سکھانے کی بھی بہت زیادہ فضیلت اَحادیث میں بیان ہوئی ہے۔اس سلسلہ میں چند صحیح اَحادیث آئندہ سطور میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) : ((عَنْ عُثْمَانَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ))

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جو قرآن کا علم حاصل کریں اور (دوسروں کو بھی) اس کی تعلیم دیں''۔[۱]

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ پہلے خود قرآن مجید پڑھنا سیکھیں اور اس کے اَحکام و تعلیمات سے آگاہی حاصل کریں اور اس کے بعد دوسرے لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں اور ان تک قرآنی اَحکام پہنچانے کا فریضہ انجام دیں تو وہ تمہارے اندر سب سے بہتر اور افضل ہیں۔

(۲) : ((عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ فِی الصُّفَّةِ فَقَالَ أَیُّکُمْ یُحِبُّ أَنْ یَغْدُوَ کُلَّ یَوْمٍ إِلٰی بُطْحَانَ أَوِ الْعَقِیقِ فَیَأْتِیَ مِنْهُ بِنَاقَتَیْنِ کَوْمَاوَیْنِ فِی غَیْرِ إِثْمٍ وَلَا قَطْعِ رَحِمٍ فَقُلْنَا یَا رَسُولَ اللّٰهِ نُحِبُّ ذٰلِكَ قَالَ أَفَلَا یَغْدُو أَحَدُکُمْ إِلَی الْمَسْجِدِ فَیَعْلَمُ أَوْ یَقْرَأُ آیَتَیْنِ مِنْ کِتَابِ اللّٰهِ خَیْرٌ لَهُ مِنْ نَاقَتَیْنِ وَثَلَاثٌ خَیْرٌ لَهُ مِنْ ثَلَاثٍ وَأَرْبَعٌ خَیْرٌ لَهُ مِنْ أَرْبَعٍ وَمِنْ أَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْإِبِلِ))[۲]

''حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنے حجرہ مبارک سے نکل کر تشریف لائے، جبکہ ہم صفہ (مسجد نبوی کے ایک چبوترہ) پر بیٹھے ہوئے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کون یہ پسند کرتا ہے کہ وہ ہر روز وادیِ بطحان یا وادیِ عقیق جائے اور بغیر کسی گناہ یا قطع رحمی کیے وہاں سے بڑے کوہان والی دو اونٹنیاں لے آئے؟ ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہم میں سے تو ہر ایک

(۱) [صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمه (ح ۵۰۲۷)]
(۲) [صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب فضل قراءة القرآن فی الصلاة (ح ۸۰۳)]

اسے پسند کرتا ہے۔ تب آپؐ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص مسجد میں جائے اور لوگوں کو قرآن کی دو آیتیں پڑھا دے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اسے روزانہ دو اونٹنیاں (مفت میں) مل جائیں۔ اگر وہ تین آیتیں پڑھائے تو یہ تین اونٹنیاں مل جانے سے بہتر ہے۔ اگر چار آیتیں پڑھ کر سنائے تو یہ چار اونٹنیاں مل جانے سے بہتر ہے۔ اسی طرح جتنی آیتیں سنائے، وہ اتنی ہی اونٹنیوں سے بہتر ہیں۔''

بطحان اور عقیق دراصل مدینہ طیبہ کی دو وَادیاں تھیں، جہاں ان دنوں بازار لگا کرتے تھے اور دیگر چیزوں کے علاوہ اونٹوں کی بھی وہاں خرید وفروخت ہوتی تھی اور یہ بات معلوم ہے کہ اونٹ اس دور میں عرب کا سب سے قیمتی جانور تھا۔ ایک طرف تھوڑی سی محنت سے مفت کے اونٹ مل رہے ہوں جبکہ دوسری طرف قرآنی آیات ہوں تو اللہ کے رسول ﷺ کی نظر میں قرآن مجید کی تلاوت ان اونٹوں سے کہیں بہتر ہے۔

(۳) : ((عن ابی هريرة قال قال رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِيْ بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللّٰهِ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَيَتَدَارَسُوْنَهُ بَيْنَهُمْ اِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِيْنَةُ وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فِيْمَنْ عِنْدَهُ وَمَنْ بَطَّاَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ))

''حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ فرمایا: اللہ کے گھروں (مسجدوں) میں سے جس گھر (مسجد) میں کچھ لوگ جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے اور ایک دوسرے کو پڑھتے پڑھاتے ہیں، وہاں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سکینت نازل ہوتی ہے اور انہیں اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان کے گرد گھیرا ڈال لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر ان (فرشتوں) کے پاس کرتے ہیں جو اللہ کے ہاں موجود ہیں۔ (اور سنو!) جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے رکھا، اسے اس کا حسب ونسب آگے نہیں بڑھا سکے گا۔''[۱]

اس حدیث میں قرآن مجید پڑھنے پڑھانے کی فضیلت کے علاوہ ایک اور مسئلہ یہ بھی ثابت ہوا کہ اللہ کے ہاں معیارِ فضیلت نیک اَعمال کی کثرت ہے۔ اگر کوئی شخص نیک عمل کرنے میں پیچھے رہا، تو اس کا حسب ونسب یا مال ودولت وغیرہ اللہ کے ہاں اس کی قدر ومنزلت نہیں بڑھا سکتے۔

(٤) : ((عَنْ اَنَسٍؓ ان نَبِیَّ اللّٰهِ ﷺ قَالَ لِاُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ: اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِیْ اَنْ (اَقْرَاَ عَلَيْكَ)

(۱) [صحیح مسلم: کتاب الذکر والدعاء: باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر (ح۲۶۹۹)]

أَقْرِئَكَ الْقُرْآنَ، قَالَ: آللّٰهُ سَمَّانِيْ لَكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَقَدْ ذُكِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ، وَفِيْ رِوَايَةٍ: اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَنِيْ اَقْرَأُ عَلَيْكَ: ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا......﴾ قَالَ وَسَمَّانِيْ؟ قَالَ نَعَمْ، فَبَكٰى))

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن مجید سناؤں''۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر آپ سے یہ بات فرمائی ہے؟'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ حضرت اُبیؓ نے دوبارہ عرض کیا: ''کیا واقعی اللہ رب العالمین کے حضور میرا ذکر ہوا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں۔ اس پر حضرت اُبی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ (ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) ''اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ (یعنی سورۃ البینہ) پڑھ کر سناؤں''۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر یہ بات فرمائی ہے؟'' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں۔ تو حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ (خوشی سے) رو پڑے۔''(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے صحابہ کے ساتھ قرآن سننے، سنانے اور پڑھنے پڑھانے کا عمل جاری رکھتے تھے اور اس کے پیچھے خود اللہ تعالیٰ کی رضامندی بھی شاملِ حال تھی۔

(۵): ((عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ: لَا حَسَدَ اِلَّا عَلَى اثْنَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ يَقُوْمُ بِهٖ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ))

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو آدمیوں کے علاوہ اور کوئی قابلِ رشک نہیں: ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا ہوا اور وہ شب و روز اس کو لیے کھڑا ہو (یعنی نماز میں کھڑا پڑھ رہا ہو یا اس کی تبلیغ کرنے اور اس کی تعلیم دینے میں مصروف ہو)...... اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہوا اور وہ شب و روز اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر رہا ہو۔''(۲)

(۱) [صحیح بخاری، کتاب التفسیر: تفسیر سورۃ لم یکن...... (ح ۴۹۶۰) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب قراءۃ القرآن علی اهل الفضل ...... (ح ۷۹۹)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب اغتباط صاحب القرآن (ح ۵۰۲۵) صحیح مسلم، ایضاً باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمه ...... (ح ۸۱۵) واللفظ لمسلم]

[4].....قرآن مجید حفظ کرنے کے فضائل

(۱) : ((عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ اِقْرَأْ وَارْتَقِ وَرَتِّلْ كَمَا كُنْتَ تُرَتِّلُ فِي الدُّنْيَا مَنْزِلُكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرَؤُهَا))

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: (روزِ قیامت) صاحبِ قرآن سے کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور بلندی کی طرف چڑھتا جا، اور اسی رفتار سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جس طرح دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا۔ تیری منزل وہاں ہے جہاں تیری آخری آیت ختم ہوگی۔''(۱)

اس حدیث میں صاحبِ قرآن سے مراد حافظِ قرآن ہے خواہ اس نے مکمل قرآن مجید حفظ کیا ہو یا قرآن کا بعض حصہ۔ اسی لیے کہا گیا کہ اس کا درجہ اور منزل وہاں ہے جہاں اس کی یاد کی ہوئی آخری آیت ختم ہو گی، یہ نہیں کہا گیا کہ جہاں قرآن کی آخری آیت آئے گی۔ ایک اور روایت میں حافظ قرآن کی فضیلت اس طرح بیان ہوئی ہے:

(۲) : ((عن عائشة عن النبي ﷺ قال: مَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ حَافِظٌ لَهُ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَمَثَلُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَهُوَ يَتَعَاهَدُهُ وَهُوَ عَلَيْهِ شَدِيدٌ فَلَهُ اَجْرَانِ))

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے اور وہ حافظ قرآن بھی ہے، مکرم اور نیک لکھنے والے (فرشتوں) جیسی ہے اور وہ شخص جو قرآن مجید یاد کرنے کے لیے اسے بار بار پڑھتا ہے اور اس میں اسے مشقت ہوتی ہے تو اسے بھی اس کا دوگنا ثواب ملے گا۔''(۲)

(۳) : ((عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ : يَجِيءُ صَاحِبُ الْقُرْآنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُولُ يَارَبِّ

(۱) [مسند احمد (ج۲ ص ۱۹۲) جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن (باب ۱۷۔ ح ۲۹۱۴) ابو داؤد، کتاب الوتر، باب استحباب الترتیل فی القراءۃ (ح ۱۴۶۴)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب (۸۰) سورۃ عبس (ح ۴۹۳۷)]

حَلِّهِ فَيُلْبَسُ تَاجَ الْكِرَامَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ : يَارَبِّ زِدْهُ، فَيُلْبَسُ حُلَّةَ الْكِرَامَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ يَارَبِّ ارْضَ عَنْهُ فَيَرْضَى عَنْهُ فَيُقَالُ لَهُ اقْرَءْ وَارْقَأْ وَيُزَادُ بِكُلِّ آيَةٍ حَسَنَةً))

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشادفرمایا: روزِ قیامت صاحب قرآن آئے گا اورقرآن اس کے لیے کہے گا: یااللہ! اسے لباس پہنادے تو اسے عزت وشرف والا لباس پہنادیا جائے گا۔ پھر قرآن کہے گا: یارب! اسے اور پہنا تو اسے عزت وتکریم والا چوغا پہنایا جائے گا۔ پھر قرآن کہے گا: یارب! اس سے راضی ہوجا تو اللہ اس سے راضی ہوجائیں گے اوراسے کہاجائے گا کہ قرآن پڑھتا جااور بلندی کی منزلیں طے کرتا جا، چنانچہ اسے ہرآیت کے بدلے نیکی ملے گی۔''[1]

یہ توتھی حافظِ قرآن کی فضیلت، جب کہ حافظ قرآن کے والدین کوبھی فضیلت سے محروم نہ رکھا جائے گا، بشرطیکہ وہ عقیدۂ توحید پر فوت ہوئے ہوں جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے:

(٤) : ((عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ......: وَيُكْسٰى وَالِدَاهُ حُلَّتَيْنِ لَا تَقُوْمُ لَهُمُ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهِمَا فَيَقُوْلَانِ يَا رَبِّ! اَنّٰى لَنَا هٰذَا؟ فَيُقَالُ بِتَعْلِيْمِ وَلَدِكُمَا الْقُرْآنَ))

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے روز حافظ قرآن کے والدین کواتنے قیمتی لباس پہنائے جائیں گے کہ ان کے مقابلہ میں دنیاجہاں کی ہر چیز ہیچ ہوگی، چنانچہ حافظِ قرآن کے والدین کہیں گے: یااللہ! ہمیں کس نیکی کے عوض اتنا قیمتی لباس پہنایا گیا ہے؟ توجواب دیا جائے گا: اس لیے کہ تم نے اپنے بچے کوقرآن سکھایا تھا۔''[2]

ایک روایت میں ہے کہ ''جو شخص قرآن پڑھتا ہے اوراس کے مطابق عمل کرتا ہے، قیامت کے دن اس کے والدین کوایک تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی ایسی ہوگی کہ اگر سورج بھی تمہارے گھروں میں اتر آئے تو پھر بھی اس کی روشنی اس کا مقابلہ نہ کرسکے گی۔'' مگر یہ روایت ضعیف ہے۔

قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد اسے یادرکھنا چاہیے:

قرآن مجید یادکرنا اتنا مشکل نہیں جتنا اسے یادرکھنا مشکل ہے۔ اگرقرآن مجید یادکرنے کے بعد اسے

(١) [ترمذی، کتاب فضائل القرآن ،باب ان الذی لیس فی جوفه من القرآن کالبیت الخرب (ح ٢٩١٥) مستدرك حاکم (ص ٥٥٢)امام حاکمؒ اورامام ذہبیؒ نے اس روایت کوصحیح قرار دیاہے]

(٢) [سلسلة الاحادیث الصحیحة (ح٢٨٢٩)]

دہرانا چھوڑ دیا جائے تو یہ بہت جلد بھلا دیا جاتا ہے۔اسی لیے نبی کریم ﷺ نے قرآن یاد کرنے والوں کو یہ تاکید فرمائی کہ اس کی دہرائی کرتے رہو ورنہ یہ بھول جائے گا۔اس سلسلہ میں چنداً حادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) : ((عن ابی موسی الاشعری عن النبی ﷺ :تَعَاهَدُوا الْقُرآنَ فَوَ الَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَھُوَ اَشَدُّ تَفَصِّیًا مِّنَ الْاِبِلِ فِیْ عُقُلِھَا))

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قرآن مجید کو یاد رکھنے کا اہتمام کرو کیونکہ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے،اونٹ رسی کھل جانے کے بعد اس قدر تیزی سے نہیں بھاگتے جس قدر تیزی کے ساتھ قرآن ذہن سے نکل جاتا ہے۔''(۱)

(۲) : ((عن عبداللہ بن مسعودعن النبی ﷺ :بِئْسَ مَا لِاَحَدِھِمْ اَنْ یَقُوْلَ نَسِیْتُ آیَۃَ کَیْتَ وَکَیْتَ بَلْ نُسِّیَ وَاسْتَذْکِرُوْا الْقُرْآنَ فَاِنَّہٗ اَشَدُّ تَفَصِّیًا مِّنْ صُدُوْرِ الرِّجَالِ مِنَ النَّعَمِ))

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: انسان کے لیے بہت بری بات ہے کہ وہ یہ کہے: ''میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں''......اصل بات یہ ہے کہ وہ اسے (اس کی غفلت کی بناپر) بھلا دیا جاتا ہے۔قرآن کو یاد رکھنے کی کوشش کرو کیونکہ وہ لوگوں کے سینوں سے (ان) اونٹوں سے بھی بڑھ کر بھاگنے کی کوشش کرتا ہے (جن کی رسیاں کھل جائیں)''(۲)

(۲) : ((عن بن عمران رسول اللہ ﷺ قال: اِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ کَمَثَلِ صَاحِبِ الْاِبِلِ الْمُعَقَّلَۃِ اِنْ عَاھَدَ عَلَیْھَا اَمْسَکَھَا وَاِنْ اَطْلَقَھَا ذَھَبَتْ))(۳)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشادفرمایا: قرآن یاد کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے پاس بندھے ہوئے اونٹ ہوں۔اگر وہ ان کی حفاظت کی فکر کرے گا تو وہ اس کے پاس رہیں گے اور اگر وہ انہیں آزاد کردے گا تو وہ بھاگ کھڑے ہوں گے۔''

(۱) [صحیح بخاری،کتاب فضائل القرآن،باب استذکار القرآن و تعاھدہ (ح ۵۰۳۳) صحیح مسلم ،کتاب صلاۃ المسافرین ، باب الامر بتعھد القرآن (ح ۷۹۱)]

(۲) [صحیح بخاری ،کتاب فضائل القرآن ،باب استذکار القرآن ...... (ح ۵۰۳۲) صحیح مسلم (ح ۷۹۰)]

(۳) [صحیح بخاری ایضاً (ح ۵۰۳۱) صحیح مسلم ایضاً(ح ۷۸۹)]

قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد اسے جان بوجھ کر بھلا دینے والے کی سزا:

قرآن مجید اللہ کی نعمت ہے اور جس شخص کو اللہ کی توفیق سے پورا قرآن یا قرآن مجید کا بعض حصہ یاد ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اللہ کی اس نعمت کی قدر کرتے ہوئے اس کی حفاظت کرے۔ اگر کوئی شخص بغیر کسی معقول وجہ کے قرآن مجید یاد کرنے کے بعد بھلا دے تو گویا وہ اللہ کی نعمت کی ناقدری کرتا ہے۔ یہ عمل بجائے خود ایک گناہ ہے، اگرچہ بعض روایات میں ایسے شخص کے لیے بڑی وعیدیں بیان ہوئی ہیں مگر ان کی صحت مشکوک ہے، البتہ صحیح بخاری کی درج ذیل روایت سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ غفلت کی وجہ سے قرآن بھلانے والے کو سزا ملے گی:

((عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِي الرُّؤْيَا قَالَ: اَمَّا الَّذِي يُثْلَغُ رَأْسُهُ بِالْحَجَرِ فَإِنَّهُ يَأْخُذُ الْقُرْآنَ فَيَرْفُضُهُ))

''حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خواب کے بارے میں بتایا کہ'' (میں نے دیکھا کہ جہنم میں ایک شخص کا سر پتھر سے کچلا جا رہا تھا، مجھے بتایا گیا کہ) جس شخص کا سر پتھر کے ساتھ کچلا جا رہا تھا، یہ وہ تھا جو قرآن یاد کر کے اسے بھلا دیتا تھا۔''[1]

یاد رہے کہ انبیاءِ کرام کے خواب عام انسانوں کے خوابوں سے مختلف ہوتے ہیں اور وہ وحی کی قبیل سے ہونے کی وجہ سے برحق ہوتے ہیں۔ اس لیے حضور کے مذکورہ بالا خواب کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن کو بھلانے والے کو سزا ملے گی، بشرطیکہ اس نے بغیر کسی معقول عذر کے محض غفلت ولاپرائی کی وجہ سے اسے بھلا دیا ہو۔

......☆......

(١) [صحیح بخاری، کتاب التهجد، باب عقد الشیطان علی قافیة الرأس اذالم یصل باللیل (ح١١٤٣)]

[5]....قرآن مجید میں مہارت حاصل کرنے والے کے فضائل

(۱) : ((عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ :اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَالَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَیَتَتَعْتَعُ فِیْهِ وَهُوَعَلَیْهِ شَاقٌّ لَهُ اَجْرَانِ))

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن کا ماہر شخص لکھنے والے معزز ومکرم فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو شخص قرآن مجید کو اٹک اٹک کر اور بڑی مشکل سے پڑھتا ہے، اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔''(۱)

(۲) : ((عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰهِ اِکْرَامُ ذِی الشَّیْبَةِ الْمُسْلِمِ وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَیْرِالْغَالِیْ فِیْهِ وَالْجَافِیْ عَنْهُ وَاِکْرَامُ ذِی السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ))

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بھی اللہ تعالیٰ کے جاہ وجلال (کی قدر کرنے) میں شامل ہے کہ ان تین طرح کے لوگوں کی بھی عزت وتکریم کی جائے:

(۱) بوڑھے مسلمان کی۔

(۲) صاحبِ قرآن کی جو قرآن مجید کے حوالے سے افراط وتفریط کا شکار نہ ہو۔

(۳) اور عادل حکمران کی۔''(۲)

......☆......

(۱) [صحیح مسلم ،کتاب صلاۃ المسافرین ،باب فضل الماھر بالقرآن ... (حدیث ۷۹۸)]

(۲) [سنن ابو داؤد ،کتاب الادب ،باب فی تنزیل الناس منازلھم (حدیث ۴۸۴۳)صحیح الجامع مع الصغیر للالبانیؒ (ح۲۱۹۵)]

فصل ۲:

قرآن مجید کی سورتوں کے فضائل

جس طرح قرآن مجید کی فضیلت وعظمت کے بارے بہت سی اَحادیث مروی ہیں، اسی طرح علیحدہ طور پر قرآنِ مجید کی مختلف سورتوں کی فضیلت کے بارے میں بھی بہت سی اَحادیث، کتبِ اَحادیث میں موجود ہیں۔ ان میں سے بعض صحیح اور بعض ضعیف ہیں۔ اس فصل میں صحیح اَحادیث کا ایک انتخاب پیش کیا جا رہا ہے جبکہ اس سلسلہ میں مروی ضعیف اَحادیث ہم نے آگے علیحدہ فصل میں جمع کر دی ہیں۔

سورۃ الفاتحہ کی فضیلت:

یہ قرآن مجید کی پہلی سورت ہے۔ مقدار کے لحاظ سے یہ جتنی مختصر ہے، موضوع و مدعا اور تاثیر کے لحاظ سے یہ اتنی ہی جامع ہے۔ اس کی فضیلت واہمیت کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ اسے ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔ اس کے ذریعے مریض کو دم کیا جائے تو اسے شفا حاصل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس کی بڑی فضیلت ہے۔ ذیل میں اس کی فضیلت کے بارے چند اَحادیث ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) : ((عَنْ أَبِی سَعِیْدِ بْنِ الْمُعَلّٰی قَالَ : کُنْتُ أُصَلِّیْ فِی الْمَسْجِدِ فَدَعَانِی النَّبِیُّ ﷺ فَلَمْ أُجِبْهُ ثُمَّ أَتَیْتُهُ فَقُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّیْ کُنْتُ أُصَلِّیْ، قَالَ: أَلَمْ یَقُلِ اللّٰهُ: اِسْتَجِیْبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاکُمْ ثُمَّ قَالَ: أَلَا أُعَلِّمُكَ أَعْظَمَ سُوْرَةٍ فِی الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ فَأَخَذَ بِیَدِیْ فَلَمَّا أَرَدْنَا أَنْ نَّخْرُجَ قُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّكَ قُلْتَ أَلَا أُعَلِّمُكَ أَعْظَمَ سُوْرَةٍ فِی الْقُرْآنِ؟ قَالَ: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ...... ﴾ هِیَ السَّبْعُ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْآنُ الْعَظِیْمُ الَّذِیْ أُوْتِیْتُهُ))

''حضرت ابوسعید بن معلیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے مجھے آواز دے کر بلایا لیکن میں نے جواب نہ دیا (کیونکہ میں نماز پڑھ رہا تھا) پھر نماز ختم کر کے میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے عرض کیا: یارسول اللہؐ! میں نماز پڑھ رہا تھا، اس لیے آپ کی آواز پر فوراً حاضر نہ ہوسکا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا اللہ نے یہ حکم نہیں دیا کہ

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی پکار پر لبیک کہو جبکہ وہ تمہیں بلائیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں مسجد سے باہر نکلنے سے پہلے یہ بتاؤں کہ قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت کون سی ہے؟ پھر آپؐ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور جب ہم مسجد سے نکلنے لگے تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہؐ! آپؐ نے فرمایا تھا کہ آپؐ مجھے قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت کے متعلق بتائیں گے، تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ: الحمد لله رب العالمين (یعنی سورۂ فاتحہ) ہے۔ یہی سبع مثانی ہے (یعنی سات بار بار پڑھی جانے والی آیتیں) اور یہی عظیم قرآن ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔"[1]

(۲) : ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَيْنَهُمَا جِبْرِيْلُ قَاعِدٌ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ سَمِعَ نَقِيْضًا مِنْ فَوْقِهٖ فَرَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَالَ هٰذَا بَابٌ مِّنَ السَّمَآءِ فُتِحَ الْيَوْمَ لَمْ يُفْتَحْ قَطُّ اِلَّا الْيَوْمَ فَنَزَلَ مِنْهُ مَلَكٌ فَقَالَ هٰذَا مَلَكٌ نَزَلَ اِلَى الْاَرْضِ لَمْ يَنْزِلْ قَطُّ اِلَّا الْيَوْمَ فَسَلَّمَ فَقَالَ اَبْشِرْ بِنُوْرَيْنِ اُوْتِيْتَهُمَا لَمْ يُؤْتَهُمَا نَبِيٌّ قَبْلَكَ فَاتِحَةُ الْكِتَابِ وَخَوَاتِيْمُ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ لَنْ تَقْرَاَ بِحَرْفٍ مِّنْهُمَا اِلَّا اُعْطِيْتَهٗ))

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریلؑ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک انہوں نے آسمان کی طرف سے ایک ایسی آواز سنی جیسے کسی شہتیر کو کھینچنے یا کسی پھاٹک کو کھولنے کی آواز ہوتی ہے۔ حضرت جبریلؑ نے اپنا سر اوپر اٹھا کر دیکھا اور پھر حضور ﷺ سے فرمایا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو آج پہلی دفعہ کھولا گیا ہے اور اس سے پہلے یہ کبھی نہیں کھولا گیا۔ اور اس دروازے سے ایک فرشتہ نازل ہوا ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے عرض کیا: یہ فرشتہ جو آسمان سے زمین کی طرف نازل ہوا ہے، آج سے پہلے یہ کبھی زمین کی طرف نہیں اترا۔ وہ فرشتہ آیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کہا اور پھر آپ ﷺ سے عرض کیا: آپؐ کے لیے ایسے دونوروں کی خوشخبری ہے جو آپؐ ہی کو دیئے گئے ہیں۔ ایک سورۂ فاتحہ اور دوسری سورۂ بقرہ کی آخری آیات...... ان دونوں کا جو حرف بھی آپؐ پڑھیں گے، اس کے بدلے آپ کو اجر ملے گا یا آپؐ کی دعا قبول کی جائے گی۔"[2]

(۳) : ((عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ لِاُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ: كَيْفَ تَقْرَاُ فِي الصَّلَاةِ؟ فَقَرَءَ

---

(۱) [صحيح بخاري ،كتاب فضائل القرآن، باب فضل فاتحة الكتاب (ح ۵۰۰۶)]

(۲) [صحيح مسلم ،كتاب صلاة المسافرين، باب فضل الفاتحه و خواتيم سورة البقرة (ح ۸۰۶)]

أُمّ الْقُرْآنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهِ، مَا أُنْزِلَتْ فِي التَّوْرَاةِ وَلَا فِي الْإِنْجِيْلِ وَلَا فِي الزَّبُوْرِ وَلَا فِي الْفُرْقَانِ مِثْلُهَا وَإِنَّهَا سَبْعٌ مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ الَّذِيْ أُعْطِيْتُهُ))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نماز میں کیا تلاوت کرتے ہو؟ انہوں نے سورت فاتحہ پڑھ کر سنائی، تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تورات، انجیل، زبور اور قرآن میں اس جیسی کوئی اور سورت نازل نہیں ہوئی، بلاشبہ اس سورت کی سات آیات ہیں جن کے بار بار تلاوت ہوتی ہے اور یہی وہ قرآنِ عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔''(۱)

(۴) : حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسولؐ کے چند صحابہؓ ایک مرتبہ کسی سفر پر روانہ ہوئے تو راستے میں انہوں نے ایک قبیلہ والوں کے ہاں پڑاؤ کیا اور چاہا کہ قبیلہ والے ان کی مہمان نوازی کریں مگر انہوں نے مہمان نوازی سے انکار کر دیا۔ پھر کیا ہوا کہ اس قبیلہ کے سردار کو کسی زہریلی چیز نے کاٹ لیا اور انہوں نے بڑا علاج کیا مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ پھر انہی میں سے کسی شخص نے مشورہ دیا کہ یہ مسافر لوگ جنہوں نے قریب ہی پڑاؤ کیا ہے، ان کے پاس جاؤ، ممکن ہے کہ ان میں سے کسی کے پاس مؤثر منتر ہو، چنانچہ وہ صحابہ کرامؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے مسافرو! ہمارے سردار کو کسی زہریلی چیز (بچھو) نے کاٹ لیا ہے اور ہم نے علاج معالجے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن کامیابی نہ ہونے پر تمہارے پاس آئے ہیں تو کیا تمہارے پاس اس کے علاج کے لیے کوئی نسخہ ہے؟ ایک صحابی (یعنی خود ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ) نے کہا کہ ہاں! اللہ کی قسم میں دم جھاڑ جانتا ہوں لیکن ہم نے تم سے کہا تھا کہ تم ہماری مہمان نوازی کرو لیکن تم نے نہیں کی، اس لیے میں بھی اس وقت تک علاج نہیں کروں گا جب تک کہ تم کوئی اُجرت مقرر نہ کرو۔ چنانچہ ان لوگوں نے کچھ بکریاں (تقریباً تیس عدد) دینے کا وعدہ کیا۔ پھر یہ صحابی گئے اور سورت فاتحہ پڑھ کر اس مریض پر ہلکے ہلکے تھوک والی پھونکیں مارتے رہے حتیٰ کہ اس دم کی برکت سے وہ اس طرح ہو گیا جیسے اس کی رسی کھل گئی ہے اور وہ اٹھ کر اس طرح چلنے لگا جیسے اسے کوئی تکلیف آئی ہی نہیں۔

اب اس قبیلہ والوں نے حسبِ وعدہ اس صحابی کو بکریاں دے دیں۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ بکریاں

(۱) [جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل الفاتحة (ح ۲۸۷۵)]

تقسیم کر لی جائیں لیکن دم کرنے والے صحابی نے کہا کہ ابھی ایسا نہ کرو بلکہ پہلے اللہ کے رسول ؐ کے پاس جا کر ہم سارا واقعہ پیش کریں اور دیکھیں کہ آپ کیا حکم فرماتے ہیں؟ پھر وہ اللہ کے رسول ؐ کے پاس آئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اللہ کے رسول ؐ نے فرمایا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ اس (سورۂ فاتحہ) کے ساتھ دم کیا جا سکتا ہے (گویا آپ ؐ حیران ہوئے اور فرمایا کہ) میرا بھی اس میں سے ایک حصہ نکالنا۔''(١)

بعض روایات میں ہے کہ جب یہ صحابی اس سردار کا روحانی علاج کر کے واپس تشریف لائے تو دوسرے صحابہؓ نے ان سے پوچھا: اَكُنْتَ تُحْسِنُ رُقْيَةً اَوْ كُنْتَ تَرْقِي......؟ ''کیا آپ روحانی علاج میں ماہر اور تجربہ کار ہیں؟''......تو اس صحابی نے جواب دیا: نہیں، میں ماہر تو نہیں ہوں البتہ میں نے صرف سورۂ فاتحہ کے ساتھ اس کا علاج کیا ہے۔''(٢)

سورۃ البقرہ کی فضیلت:

سورۃ البقرۃ قرآن کی سب سے بڑی سورت ہے جس کی دو سو چھیاسی (286) آیات ہیں۔ اس سورت کی فضیلت میں بہت سی صحیح احادیث مروی ہیں چند ایک ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

(١) : ((عن اَبِىْ اُمَامَةَ قال سمعت رسول الله ...... ﷺ يقول: اِقْرَؤُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَاِنَّ اَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلَا يَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ))

''حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کا یہ ارشاد گرامی سنا کہ سورۂ بقرہ پڑھا کرو کیونکہ اسے پڑھنا باعث برکت ہے اور اسے چھوڑنا باعث حسرت ہے اور باطل پرست (جادوگر وغیرہ) اس کی استطاعت (توڑ) نہیں رکھتے۔''(٣)

(٢) : ((عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ: اِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِىْ تُقْرَاُ فِيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ))

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے، وہاں سے شیطان دور بھاگتا ہے۔''(٤)

---

(١) [صحیح بخاری، کتاب الطب، باب النفث فی الرقیة (ح٥٧٤٩) صحیح مسلم (ح٢٢٠١)]

(٢) [صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن باب فضل فاتحة لکتاب (ح٥٠٧)]

(٣) [صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب فضل قرآة القرآن وسورة البقرة (ح٨٠٤)]

(٤) [صحیح مسلم ایضاً (باب ٢٩ حدیث ٧٨٠) ترمذی (ح٢٨٧٧) السنن الکبری لنسائی (٦-١٠٨٠١)]

(۳) :ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((اِقْرَءُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فِيْ بُيُوْتِكُمْ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَدْخُلُ بَيْتًا يُقْرَأُ فِيْهِ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ))

''اپنے گھروں میں سورۂ بقرہ پڑھا کرو کیونکہ جس گھر میں یہ سورہ پڑھی جاتی ہے، وہاں شیطان داخل نہیں ہوتا۔''[۱]

یاد رہے کہ مذکورہ بالا روایات میں مکمل سورۂ بقرہ پڑھنے کا ذکر ہے البتہ بعض روایات میں سورۂ بقرہ کی آخری آیتوں کی بھی اس طرح کی فضیلت مذکور ہے جیسا کہ آگے احادیث میں آ رہا ہے۔

(۴) : حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ انصاری سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھ لے تو وہ رات بھر اس کے لیے کافی ہو جائیں گی''۔[۲]

بعض اہل علم کے بقول: ''یہ دو آیتیں کافی ہو جائیں گی'' کا مطلب ہے کہ یہ دو آیتیں تہجد کی نماز سے کفایت کر دیں گی اور بعض کے بقول اس کا مطلب ہے کہ یہ دو آیتیں جنوں اور شیطانوں سے محفوظ رکھنے کے لئے کافی ہو جائیں گی۔

آیۃ الکرسی کی فضیلت:

(۱) : ((عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: يَا اَبَا الْمُنْذِرِ! اَتَدْرِيْ اَيُّ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَعَكَ اَعْظَمُ؟ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَعْلَمُ، قَالَ: يَا اَبَا الْمُنْذِرِ! اَتَدْرِيْ اَيُّ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَعَكَ اَعْظَمُ؟ قُلْتُ:﴿اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ قَالَ: فَضَرَبَ فِيْ صَدْرِيْ وَقَالَ : لِيَهْنِكَ الْعِلْمُ اَبَا الْمُنْذِرِ!))[۳]

''حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ابومنذر! جانتے ہو تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی جو کتاب (قرآن مجید) ہے اس کی کون سی آیت سب سے بڑی ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے پھر مجھ سے پوچھا: ابو منذر کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے پاس اللہ کی جو کتاب ہے اس کی سب سے بڑی آیت کون سی ہے؟

---

(۱) [مستدرك حاكم (ح ۲۶۰۲)]

(۲) [صحيح بخاری، كتاب فضائل القرآن، باب فضل سورة البقرة (ح ۵۰۰۹) صحيح مسلم (ح ۸۰۷) ابو داؤد (ح ۱۳۹۷) ترمذی (ح ۲۸۸۱) ابن ماجه (ح ۱۳۶۸) احمد (ج ۴ ص ۱۱۸)]

(۳) [صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب فضل سورة الكهف وآية الكرسی (ح ۸۱۰)]

اب میں نے عرض کیا کہ وہ یہ آیت ہے: اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم (یعنی آیت الکرسی) تو اللہ کے رسول ﷺ نے (خوش ہو کر) میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: اے ابو منذر! یہ علم تمہیں مبارک ہو۔"

(۲): حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ایک رات انہوں نے شیطان (جن) کو پکڑ لیا اور کہا کہ میں تمہیں ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ دو، میں تمہیں اس کے بدلے ایسے کلمات سکھا دیتا ہوں کہ اگر تم انہیں پڑھ کر بستر پر سو جاؤ تو صبح تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر ایک پہرے دار مقرر کر دیا جائے گا اور کوئی شیطان صبح تک تمہارے پاس نہیں پھٹکے گا۔ تو میں نے کہا کہ ہاں بتاؤ۔ تو اس نے مجھے آیۃ الکرسی والے کلمات بتائے اور میں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح کے وقت میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو یہ سارا واقعہ سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ تھا تو جھوٹا مگر تمہیں ایک سچی بات بتا گیا ہے۔"(۱)

سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت:

((عن النعمان بن بشیرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: اِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ كِتَابًا قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بِاَلْفَيْ عَامٍ اُنْزِلَ مِنْهُ آيَتَيْنِ خُتِمَ بِهِمَا سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَلَا تُقْرَآنِ فِيْ دَارٍ ثَلَاثَ لَيَالٍ فَيَقْرَبُهَا الشَّيْطَانُ))

"حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمانے سے دو ہزار سال قبل ایک کتاب کو تحریر فرمایا، اس میں سے دو آیتیں نازل فرمائیں جن کے ساتھ سورۂ بقرہ کو ختم کیا گیا ہے، جس گھر میں یہ دونوں آیتیں تین رات مسلسل تلاوت کی جائیں تو شیطان اس گھر کے نزدیک نہیں جائے گا۔"(۲)

سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کی فضیلت:

(۱) : ((عن اَبِیْ اُمَامَةَ قال سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ...... ﷺ يَقُوْلُ: اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ فَاِنَّهُ يَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِاَصْحَابِهِ اِقْرَءُوا الزَّهْرَاوَيْنِ ؛ اَلْبَقَرَةَ وَسُوْرَةَ آلِ عِمْرَانَ فَاِنَّهُمَا يَاْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(۱) [صحیح بخاری: کتاب الوکالۃ: باب اذا وکل رجلا (ح ۲۳۱۱) دلائل النبوۃ للبیہقی (۷/۱۰۷) عمل الیوم واللیلۃ (۹۵۸) شرح السنۃ (۱۱۹۶) السنن الکبری (۱۰۷۹۵)]

(۲) [جامع ترمذی: کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی آخر سورۃ البقرۃ (ح ۲۸۸۲)]

كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ كَأَنَّهُمَا غَيَايَتَانِ أَوْ كَأَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَآفَّ تُحَاجَّانِ عَنْ أَصْحَابِهِمَا اِقْرَؤُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَإِنَّ أَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكَهَا حَسْرَةٌ وَلَا يَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ))

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے ہیں: قرآن مجید پڑھا کرو کیونکہ یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لیے شفیع (سفارش کرنے والا) بن کر آئے گا۔ دو چمکتی ہوئی روشن سورتیں البقرہ اور آل عمران پڑھا کرو کیونکہ یہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی جیسا کہ دو چھتریاں ہوں یا سایہ کرنے والے دو بادل ہوں، یا پرندوں کے دو جھنڈ ہوں جو پر پھیلائے ہوئے ہیں۔ یہ اپنے پڑھنے والوں کے حق میں جھگڑا کریں گی۔ سورۃ البقرہ پڑھا کرو کیونکہ اسے لازم پکڑنا باعثِ برکت ہے اور اس کا چھوڑ دینا باعثِ حسرت ہے اور باطل پرست (جادو گر وغیرہ) اس کی استطاعت (توڑ) نہیں رکھتے۔''(۱)

(۲) : ((عن النواس بن سمعان قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول: يُؤْتَى بِالْقُرْآنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَهْلِهِ الَّذِيْنَ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ بِهِ تَقْدُمُهُ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ وَآلُ عِمْرَانَ ...... كَأَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ ظُلَّتَانِ سَوْدَاوَانِ بَيْنَهُمَا شَرْقٌ أَوْ كَأَنَّهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَآفَّ تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا))

''حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: قیامت کے روز قرآن مجید اور وہ لوگ کہ جو اس کے مطابق عمل کیا کرتے تھے لائے جائیں گے اور ان کے آگے آگے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران ہوں گی۔ اس طرح کہ گویا وہ دو بادل ہیں یا دو سائبان ہیں جن کے اندر چمک اور روشنی ہے یا وہ پرندوں کے دو جھنڈ ہیں جو اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں۔ یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والوں کے حق میں حجت پیش کریں گی۔''(۲)

سورۂ ھود، واقعہ، مرسلات، نباء اور سورۂ تکویر کی فضیلت:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ أَبُوْبَكْرٍ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ شِبْتَ، قَالَ: شَيَّبَتْنِيْ هُوْدٌ وَالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلَاتِ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ))

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے

(۱) [صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل قراۃ القرآن وسورۃ البقرۃ (ح ۸۰٤)]
(۲) [صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل قراۃ القرآن وسورۃ البقرۃ (ح ۸۰۵)]

عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! آپ تو (وقت سے پہلے) بوڑھے ہو گئے ہیں؟!۔آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے سورۂ ھود، سورۂ واقعۃ، سورۂ مرسلات، سورۂ نباء اور سورۂ تکویر نے بوڑھا کر دیا ہے۔"[1]

اس لیے کہ ان سورتوں میں آخرت کی ہولناکیاں اور عذاب کا تذکرہ اس انداز سے کیا گیا ہے کہ اس پر اور اپنی امت کی صورتحال پر غور و فکر نے آپ کو نڈھال کر چھوڑا۔ اور اسی پریشانی کا آپؐ نے اظہار فرمایا۔

سورۃ الاسراء (بنی اسرائیل) اور سورۃ الزمر کی فضیلت:

((عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَنَامُ حَتّٰى يَقْرَأَ الزُّمَرَ وَبَنِيْ إِسْرَائِيْلَ))

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ اس وقت تک سوتے نہیں تھے، جب تک کہ سورۃ الزمر اور سورۃ بنی اسرائیل (الاسراء) کی تلاوت نہ کر لیتے۔"[2]

سورۃ الکہف کی فضیلت:

(۱) : ﴿ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ : مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سُوْرَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ ﴾

"حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے سورۃ الکھف کی پہلی دس آیات یاد کر لیں، وہ فتنۂ دجال سے محفوظ کر لیا گیا۔"[3]

(۲) : ﴿ عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّجَّالَ ذَاتَ غَدَاةٍ ...... إِنَّهُ شَابٌّ قَطِطٌ عَيْنُهُ طَافِئَةٌ كَأَنِّيْ أُشَبِّهُهُ بِعَبْدِ الْعُزّٰى فَمَنْ أَدْرَكَهُ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَأْ عَلَيْهِ فَوَاتِحَ سُوْرَةِ الْكَهْفِ إِنَّهُ خَارِجٌ خَلَّةً بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ ﴾[4]

"حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک صبح اللہ کے رسول ﷺ نے دجال کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ گھنگھریالے بالوں والا نوجوان شخص ہے، گویا میں اسے عبد العزی بن قطن (ایک کافر) سے مشابہت دے سکتا ہوں اور تم میں سے جس شخص کو دجال سے واسطہ پڑے، وہ سورۃ

(۱) [جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الواقعۃ (ح ۳۲۹۷)]
(۲) [جامع ترمذی، ایضاً، باب قراءۃ سورۃ بنی اسرئیل والزمر قبل النوم (ح ۲۹۲۰) کتاب الدعوات، باب منه في قراءۃ سور: الکافرون والسجدۃ والملك والزمر وبنی اسرائیل والمسبحات (ح ۳۴۰۵)]
(۳) [صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل سورۃ الکھف وآیۃ الکرسی (ح ۸۰۹)]
(۴) [صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال (ح ۲۹۳۷) احمد (۲۴۸/۴) حاکم (۵۳۷/۴)]

الکہف کی ابتدائی آیات کی تلاوت کرے۔"

(۳) : ﴿ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ : مَنْ قَرَأَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ آخِرِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ ﴾

"حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے سورۃ الکہف کی آخری دس آیات کی تلاوت کی، وہ دجال کے فتنے سے بچالیا گیا۔"(۱)

(٤) : ﴿ عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَالَ : مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آيَاتٍ مِنْ سُوْرَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ ﴾

"حضرت ابو درداء سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے سورۃ الکہف کی کوئی بھی دس آیات یاد کرلیں وہ فتنۂ دجال سے محفوظ کرلیا گیا۔"(۲)

بعض اَحادیث میں ہے کہ سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیات کی تلاوت (دجال سے حفاظت کے لیے) کی جائے، بعض میں آخری دس آیات کا ذکر ہے جبکہ بعض میں ہے کہ کوئی بھی دس آیات کی تلاوت کی جائے اور بعض میں تلاوت کی بجائے یاد کرنے (حفظ) کا ذکر ہے۔

ان تمام روایات میں جمع و تطبیق کی صورت یہ ہے کہ "کوئی بھی دس آیات تلاوت کی جائیں" یہ روایت عام ہے جبکہ پہلی یا آخری دس آیات کی روایات خاص ہیں اور اصولِ فقہ کے قاعدے کے مطابق خاص کو عام پر مقدم رکھا جائے گا یعنی خلاصہ یہ کہ شروع یا آخر کہیں سے بھی دس آیات کی تلاوت کر لی جائے، کافی ہے۔

جن روایات میں آیات کے حفظ کا ذکر ہے، اس کا معنی بھی یہی ہے کہ انہیں پڑھا جائے کیونکہ اللہ نہ کرے اگر دجال کا سامنا ہو جائے تو قرآن کی عدم موجودگی میں بھی انہیں پڑھا جاسکے۔

(۵) : حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "جو شخص سورۂ کہف کے ابتدائی اور آخری حصہ کی تلاوت کرے تو یہ اس کے سر سے لے کر پاؤں تک نور بن جائے گی اور جو شخص اس پوری سورت کی تلاوت کرے تو یہ اس کے لیے زمین سے لے کر آسمان تک نور بن جائے گی۔"(۳)

(۱) [ابو داؤد، کتاب الملاحم، باب خروج دجال (۴۳۲۳) احمد (۴۹۶/۶) عمل الیوم واللیلۃ (۶۷۶)]

(۲) [مسند احمد (۴۹۹/۶)]

(۳) [مسند احمد (ج ۳ ص ۴۳۹) المعجم الکبیر (ج ۲۰ ص ۱۹۷) مجمع الزوائد (ج ۱۱۱۴۴) علامہ عبدالرزاق مہدی نے تفسیر قرطبی کی تخریج میں اسے حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (ج ۱۱ ص ۶۹)]

(٦) : ((عن البراء قال: كَانَ رَجُلٌ يَقْرَأُ سُوْرَةَ الْكَهْفِ وَإِلٰى جَانِبِهٖ حِصَانٌ مَّرْبُوْطٌ بِشَطَنَيْنِ فَتَغَشَّتْهُ سَحَابَةٌ فَجَعَلَتْ تَدْنُوْ وَجَعَلَ فَرَسُهُ يَنْفِرُ فَلَمَّا اَصْبَحَ اَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ تِلْكَ السَّكِيْنَةُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْآنِ))

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی سورۂ کہف پڑھ رہا تھا اور اس کے قریب ہی ایک گھوڑا دو رسیوں کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اس دوران ایک بادل سا اس پر سایہ فگن ہوا، اور وہ آہستہ آہستہ نیچے آتا چلا گیا جیسے جیسے وہ نیچے آتا گیا، ویسے ویسے اس کا گھوڑا زیادہ اچھلنے لگا جب صبح ہوئی تو وہ شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپؐ نے اسے سے فرمایا کہ وہ سکینت تھی جو قرآن کے ساتھ نازل ہو رہی تھی۔''[١]

جمعہ کے روز سورۂ کہف پڑھنے کی فضیلت:

جمعہ کے روز سورۂ کہف پڑھنے کی فضیلت کے بارے جو احادیث مروی ہیں، ان کی صحت واستناد کے حوالے سے اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض اہل علم ان روایات کے مجموعہ پر حسن کا حکم لگاتے ہیں اور یہی رائے درست ہے۔ ان میں سے دو احادیث ذیل میں ذکر کی جا رہی ہیں:

(١) : حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص جمعہ کے روز سورۂ کہف کی تلاوت کرے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ دو جمعوں کے درمیان ایک نور روشن فرما دیتے ہیں۔''[٢]

(٢) : ایک روایت میں ہے کہ ''جو شخص جمعہ کے روز سورۂ کہف پڑھے، اس کے لیے اگلے جمعہ تک تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور اسے آسمان کی بلندی تک نور عطا کیا جاتا ہے (جو روزِ قیامت خوب روشن ہوگا) اور اسے دجال کے فتنہ سے بچا لیا جائے گا۔''[٣]

---

(١) | صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل الکهف (ح ٥٠١١) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب نزول السکینة لقراءۃ القرآن (ح ٧٩٥) |

(٢) | صحیح الجامع الصغیر (٦٣٤٦) علامہ البانی نے اسے صحیح کہا ہے |

(٣) | تفسیر قرطبی (ج ١٠ ص ٣٠١) حاکم (ج ٢ ص ٣٦٨) شعب الایمان (ح ٢٤٤٤-ح ٢٤٤٦) دارمی (ح ٣٣٨٣) اس کی سند میں اختلاف ہے۔ امام حاکم اسے صحیح جبکہ امام ذھبی نعیم بن حماد کی وجہ سے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ امام بیہقی اس کے موقوف ہونے کو صحیح قرار دیتے ہیں، علامہ البانی نے اسے صحیح الجامع الصغیر (ح ٦٤٧٠) میں شامل کیا ہے |

سورۂ کہف اور سلف کے ذاتی تجربات:

(۱) : مسند داری میں زرّ بن جیش سے روایت ہے کہ ''جو شخص تہجد کے وقت بیدار ہونا چاہے، اسے چاہیے کہ سونے سے کچھ دیر پہلے سورۂ کہف کی آخری آیت پڑھ لے۔ زرّ سے روایت کرنے والے راوی عبدہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا تجربہ کر کے دیکھا تو واقعی میرا تجربہ درست ثابت ہوا۔''(۱)

(۲) : ''ایک آدمی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ''میں تہجد کے وقت اٹھنا چاہتا ہوں مگر نیند مجھ پر غالب آ جاتی ہے، اس کا کوئی حل بتایئے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ جب تم تہجد کے وقت بیدار ہونا چاہو تو رات سونے سے پہلے سورۂ کہف کی آخری دو آیات پڑھ لیا کرو تو رات کو جس وقت تم چاہو گے، اللہ تعالیٰ تمہیں بیدار کر دیں گے۔''(۲)

سورۃ الانبیاء اور آیت کریمہ کی فضیلت:

((عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: دَعْوَةُ ذِی النُّوْنِ اِذْ دَعَا وَهُوَ فِیْ بَطْنِ الْحُوْتِ: ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ فَاِنَّهٗ لَمْ يَدْعُ بِهَا رَجُلٌ مُّسْلِمٌ فِیْ شَیْءٍ قَطُّ اِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهٗ))

''حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب بھی کوئی مسلمان مچھلی والے پیغمبر (یعنی حضرت یونسؑ) کی اس دعا جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں مانگی تھی کہ ''تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، تو (ہر نقص سے) پاک ہے، میں ہی ظالموں میں سے ہوں'' کے واسطے سے دعا مانگتا ہے تو اس کی دعا اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں۔''(۳)

حضرت یونسؑ کی اس دعا کو دراصل سورۃ الانبیاء کی ایک آیت کی حیثیت حاصل ہے اور یہ آیتِ کریمہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ آیت پڑھ کر جو جائز دعا مانگی جائے، وہ قبول ہوتی ہے، مگر اس کا طریقہ یہ نہیں کہ لوگوں کو جمع کر کے گٹھلیوں وغیرہ پر ایک تعداد متعین کر کے اس آیت کا وظیفہ کیا جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحینؒ سے ایسا کوئی ثبوت نہیں ملتا، اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔

(۱) [تفسیر قرطبی (ج ۱۱ ص ۷۰)]

(۲) [قرطبی ایضاً]

(۳) [جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب فی دعوة ذی النون..(ح ۳۵۰۵) صحیح ترمذی (ح ۲۷۸۵)]

سورۃ السجدۃ اور سورۃ الدھر کی فضیلت:

((عن عبد اللّٰہ بن عباس ان النبی ﷺ كَانَ يَقْرَءُ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ : ﴿الٓمٓ تَنْزِيْل﴾ اَلسَّجْدَة، وَ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ﴾ وَاَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَءُ فِي صَلَاةِ الْجُمُعَةِ سُوْرَةَ الْجُمُعَةِ وَالْمُنَافِقِيْنَ))

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جمعہ کے روز نمازِ فجر (کی پہلی رکعت) میں سورہ السجدۃ اور (دوسری میں) سورۃ الدھر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اور نماز جمعہ میں آپ ﷺ سورۃ الجمعۃ اور سورۃ المنافقین کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔''[1]

بعض روایات میں ہے کہ ''آپ ﷺ جمعہ کے روز نمازِ جمعہ میں سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیۃ کی تلاوت بھی کیا کرتے تھے۔'' (یعنی کبھی آپ یہ سورتیں پڑھ لیتے اور کبھی دوسری)[2]

سورۃ یٰسٓ کی فضیلت:

سورۃ یٰسٓ کی فضیلت کے بارے بہت سی احادیث مروی ہیں مگر ان میں سے کوئی ایک بھی بسند صحیح ثابت نہیں۔ تفصیل کے لیے اگلی فصل ملاحظہ فرمائیں۔

سورۃ الفتح کی فضیلت:

((عن زید بن اسلم عن ابیہ قال اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: لَقَدْ اُنْزِلَ عَلَيَّ اللَّيْلَةَ سُوْرَةٌ لَهِيَ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ ثُمَّ قَرَءَ: ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾......))

''حضرت زید اپنے والد اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: آج رات مجھ پر ایک ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا جہاں کہ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے پھر آپ نے (سورۃ الفتح کی) یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾''[3]

سورۃ الحدید، الحشر، الصف، الجمعہ، التغابن، اور الاعلیٰ کی فضیلت:

((عن عرباض بن الساریۃ اَنَّهُ حَدَّثَهُ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَءُ الْمُسَبِّحَاتِ قَبْلَ اَنْ يَرْقُدَ

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب مایقرء فی یوم الجمعۃ (ح۸۷۹)] (۲) [ایضاً (ح۸۷۸)]

(۳) [صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل سورۃ الفتح (ح۵۰۱۲)]

وَيَقُوْلُ: اِنَّ فِيْهِنَّ آيَةً خَيْرًا مِّنْ أَلْفِ آيَةٍ))

''حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے مسبحات (وہ سورتیں جن کے شروع میں تسبیح کے کلمات ہیں) کی تلاوت کیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ ان سورتوں میں ایک آیت ایسی ہے جو ایک ہزار آیات سے بہتر ہے۔''[1]

مُسَبِّحَاتُ سے مراد وہ سورتیں ہیں جن کے شروع میں تسبیح کے کلمات ہیں مثلاً: سَبَّحَ، سُبْحَانَ، يُسَبِّحُ۔ اس لحاظ سے مُسَبِّحَاتُ میں یہ سورتیں شامل ہیں: (۱) بنی اسرائیل (اسے الاسراء بھی کہا جاتا ہے)۔ (۲) الحدید۔ (۳) الحشر۔ (۴) الصف۔ (۵) الجمعہ۔ (۶) التغابن۔ (۷) الاعلیٰ۔

باقی رہی یہ بات کہ ان میں وہ کون سی آیت ہے جو ایک ہزار آیات سے بہتر ہے، تو اس بارے کسی حدیث میں کوئی وضاحت نہیں ملتی۔ شاید اس لیے کہ لوگ اس فضیلت کی خاطر ان تمام سورتوں ہی کی تلاوت کرتے رہیں۔ البتہ حافظ ابن کثیرؒ کے خیال میں وہ سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۳ ہے۔[2]

سورۃ الملک کی فضیلت:

سورۃ الملک کی فضیلت کے بارے صحیح اور ضعیف دونوں طرح کی اَحادیث مروی ہیں۔ ضعیف اَحادیث تو اَگلی فصل میں ملاحظہ فرمائیں البتہ اس سلسلہ میں مروی صحیح حدیث درج ذیل ہے:

((عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال: اِنَّ سُوْرَةً مِّنَ الْقُرْآنِ ثَلَاثُوْنَ آيَةً شَفَعَتْ لِرَجُلٍ حَتّٰى غُفِرَ لَهٗ وَهِيَ [سُوْرَةُ] تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن مجید میں تیس آیات پر مشتمل ایک سورت ایسی ہے جو (اپنے پڑھنے والے کی) سفارش کرے گی حتیٰ کہ اسے بخش دیا جائے گا اور وہ سورۃ الملک (تبارک الذی بیدہ الملک) ہے۔''[3]

سورۃ التکویر، سورۃ الانفطار اور سورۃ الانشقاق کی فضیلت:

((عن ابن عمر يقول قال رسول الله ﷺ: مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَاَنَّهٗ رَاْىُ عَيْنٍ

(۱) [جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب قراءۃ سورۃ بنی اسرئیل والزمر قبل النوم......(ح ۲۹۲۱)]
(۲) [تفسیر ابن کثیر (ج ٤ ص ۳۰۲)]
(۳) [ترمذی، ایضاً، باب ماجاء فی فضل سورۃ الملک (ح ۲۸۹۱) احمد (ج ۲ ص ۲۹۹) ابوداؤد (۱٤۰۰)]

فَلْيَقْرَأْ:﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ وَ ﴿إِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ﴾ وَ ﴿إِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ﴾......))

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ وہ قیامت کا دن اس طرح دیکھ لے کہ گویا اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ رہا ہے تو اسے چاہیے کہ سورۃ التکویر، سورۃ الانفطار اور سورۃ الانشقاق کی تلاوت کرے۔''(۱)

سورۃ الاعلیٰ اور سورۃ الغاشیۃ کی فضیلت:

''حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ کے روز نمازِ جمعہ میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى (یعنی سورۃ الاعلیٰ) اور هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ (یعنی سورۃ الغاشیۃ) کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ اگر کبھی عید اور جمعہ ایک ہی روز اکٹھے ہوتے تو آپ تب بھی دونوں نمازوں (یعنی نمازِ عید اور نمازِ جمعہ) میں یہی دو سورتیں (بالترتیب) تلاوت فرماتے تھے۔''(۲)

سورہ الکافرون کی فضیلت:

((عن فَرْوَةَ بْنِ نَوْفَلٍ اَنَّهُ اَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! عَلِّمْنِيْ شَيْئًا اَقُوْلُهُ اِذَا آوَيْتُ اِلٰى فِرَاشِيْ؟ فَقَالَ : اِقْرَأْ:﴿ قُلْ يٰاَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾فَاِنَّهَا بَرَاءَةٌ مِّنَ الشِّرْكِ))

''حضرت فروہ بن نوفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسولؐ! مجھے بتائیے کہ جب میں (سونے کے لیے) بستر پر لیٹوں تو کیا پڑھا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قل یاایھا الکافرون پڑھا کرو، اس لیے کہ یہ سورت شرک سے دور کرتی ہے۔''(۳)

سورۃ الاخلاص کی فضیلت:

(۱) : ((عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :اَيَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّقْرَاَ فِيْ لَيْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْآنِ ؟ قَالُوْا : وَكَيْفَ يَقْرَأُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ ؟ قَالَ:﴿ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴾ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ))

''حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص اتنا بھی نہیں کر سکتا کہ ہر رات ایک تہائی قرآن پڑھے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہؐ!

(۱) [جامع ترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ عبس(ح ۳۳۳۳)]

(۲) [صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب مایقرء فی یوم الجمعۃ(ح ۸۷۸)]

(۳) [جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب منہ فی قرأۃ سور:الکافرون والسجدۃ والملک ...... (ح ۳٤۰۳)]

تہائی قرآن کیسے پڑھ سکتا ہے؟ (صحیح بخاری میں یہ وضاحت ہے کہ صحابہ کو یہ کام گویا بڑا مشکل محسوس ہوا تو) آپ ﷺ نے فرمایا کہ قل ھو اللہ احد (سورۃ الاخلاص پڑھ لے) کیونکہ یہ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔''[1]

(۲) : ((عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ بَعَثَ رَجُلًا عَلٰى سَرِيَّةٍ وَكَانَ يَقْرَأُ لِاَصْحَابِهٖ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَيَخْتَمُ بِقُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَكَرُوْاذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ سَلُوْهُ لِاَيِّ شَيْءٍ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فَسَاَلُوْهُ فَقَالَ لِاَنَّهَا صِفَةُ الرَّحْمٰنِ وَاَنَا اُحِبُّ اَنْ اَقْرَاَهَا فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ :اَخْبِرُوْهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّهٗ))

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو ایک فوجی دستے کا قائد بنا کر بھیجا۔ وہ شخص اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے ہوئے اپنی قراءت ہمیشہ قل ھو اللہ احد (یعنی سورۂ اخلاص) پرختم کیا کرتا تھا۔ جب یہ لوگ اس مہم سے واپس آئے تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے یہ بات بیان کی تو نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا کہ اس شخص سے جا کر پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتا رہا؟ لوگوں نے اس سے جا کر پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ کا وصف بیان کیا گیا ہے، اس لیے میں اس کی تلاوت کو پسند کرتا ہوں ۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا کہ اس شخص کو جا کر بتادو کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔''[2]

(۳) : ((عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا قَالَ : يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُحِبُّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ: ﴿قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ﴾ قَالَ: اِنَّ حُبَّكَ اِيَّاهَا يُدْخِلُكَ الْجَنَّةَ))

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! میں سورۃ الاخلاص سے بڑی محبت کرتا ہوں ۔آپ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ اس سورت کے ساتھ تمہاری محبت تمہیں جنت میں داخل کردے گی۔''[3]

(۱) [صحیح مسلم ، کتاب صلاۃ المسافرین ، باب فضل قراءۃ قل ھو اللہ (ح ۸۱۱)مثلہ فی البخاری، کتاب فضائل القرآن،باب فضل قل ھو اللہ احد(ح ۵۰۱۵۔ح ۷۳۷٤)]

(۲) [صحیح بخاری ، کتاب التوحید، باب ماجآء فی دعاء النبی (ح ۷۳۷۵)صحیح مسلم ،ایضاً(ح ۸۱۳)]

(۳) [جامع ترمذی ، کتاب فضائل القرآن،باب ماجاء فی سورۃ الاخلاص(ح ۲۹۰۱) وروی البخاری مثلہ فی کتاب الاذان(ح ۷۷٤)]

(٤) : ((عَنْ اَبِی ھُرَیْرَۃؓ ان النبی ﷺ سَمِعَ رَجُلاً یَقْرَأُ: ﴿قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ﴾ فَقَالَ:((وَجَبَتْ)) قُلْتُ وَمَا وَجَبَتْ؟ قَالَ :((اَلْجَنَّۃُ))

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص سے سنا کہ وہ قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ کی تلاوت کررہا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا(اس کے لیے)واجب ہوگئی۔میں نے پوچھا: کیا واجب ہوگئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت واجب ہوگئی۔''(١)

(٥) : حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:''جو شخص دس مرتبہ سورۃ الاخلاص پڑھے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر تیار کردیتے ہیں۔''(٢)

معوذتین کی فضیلت:

(١) : ((عن عقبۃ بن عامر قال قال رسول اللہ ﷺ :اَلَمْ تَرَ آیٰتٍ اُنْزِلَتِ اللَّیْلَۃَ لَمْ یُرَ مِثْلُھُنَّ قَطُّ: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾وَ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾......))

''حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا: تم نہیں جانتے کہ آج رات ایسی آیات اتری ہیں کہ کبھی ان کی نظیر نہیں پائی گئی اور وہ یہ ہیں: قل اعوذ برب الفلق (یعنی سورۃ الفلق) اور قل اعوذ برب الناس (یعنی سورۃ الناس)''۔(٣)

(٢) : ((عن عقبۃ بن عامرؓ قال:بَیْنَا اَنَا اَسِیْرُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ بَیْنَ الْجُحْفَۃِ وَالْاَبْوَآءِ ، اِذْ غَشِیَتْنَا رِیْحٌ وَظُلْمَۃٌ شَدِیْدَۃٌ، فَجَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَتَعَوَّذُ بِ:﴿ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ وَ﴿اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ وَیَقُوْلُ: یَاعُقْبَۃُ! تَعَوَّذْ بِھِمَا، فَمَا تَعَوَّذَ مُتَعَوِّذٌ بِمِثْلِھَا))(٤)

''حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں جحفہ اور ابواء مقام کے درمیان چل رہا تھا کہ اچانک ہمیں سخت آندھی نے گھیر لیا اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ﴿ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ سورتوں کو

(١) [ایضاً (ح ٢٨٩٧)نسائی (ح٩٩٣)موطا(ح١٨)]
(٢) [سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ،، للالبانی (ح٥٨٩)]
(٣) [صحیح مسلم ،کتاب صلاۃ المسافرین ، باب فضل قراۃ المعوذتین (ح ٨١٤)]
(٤) [ابو داؤد،کتاب الوتر،باب فی المعوذ تین (ح ١٤٦٣)]

پڑھنا شروع کر دیا اور فرمایا: اے عقبہ! تم بھی ان دونوں سورتوں کے ساتھ پناہ طلب کرو، کسی پناہ طلب کرنے والے کے لیے ان دو سورتوں جیسی اور کوئی چیز نہیں ہے۔"

(۳) : ((عَنْ خُبَيْبٍ قَالَ خَرَجْنَا فِي لَيْلَةٍ مَطِيرَةٍ وَظُلْمَةٍ شَدِيدَةٍ نَطْلُبُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُصَلِّي لَنَا قَالَ: فَأَدْرَكْتُهُ فَقَالَ :قُلْ، فَلَمْ أَقُلْ شَيْئًا.قَالَ:قُلْ، فَقُلْتُ: مَا أَقُولُ؟ قَالَ: قُلْ: ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ حِينَ تُمْسِي وَتُصْبِحُ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَكْفِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ))

"حضرت خبیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرتے ہوئے بارش اور سخت اندھیری رات میں باہر نکلے تا کہ آپ آ کر ہمیں نماز پڑھائیں۔ چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: پڑھو۔ میں خاموش رہا۔ آپ نے پھر فرمایا: پڑھو۔ میں نے عرض کیا: کیا پڑھوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم قل ھو اللہ احد اور معوذتین (آخری دو سورتیں) صبح و شام تین مرتبہ پڑھو، تو یہ تمہیں ہر چیز سے کفایت کر جائیں گی۔"[۱]

یعنی تمام مصیبتوں، بیماریوں، پریشانیوں اور جادو جنات کے اثرات سے بچانے کے لیے کافی ہو جائیں گی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات سونے سے پہلے معوذتین اور سورۃ الاخلاص پڑھتے اور اپنی ہتھیلیوں کو اکٹھا کر کے ان میں پھونکتے اور پھر سارے جسم پر انہیں مل لیتے۔ (تا کہ جادو جنات وغیرہ کے اثرات سے محفوظ رہیں)[۲]

......☆......

(۱) [جامع ترمذی، کتاب الدعوات، باب الدعاء عند النوم (ح ۳۵۷۵) ابو داؤد، کتاب الادب (ح ۵۰۸۲)]
(۲) [صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب فضل المعوذات (ح ۵۰۱۷)]

فصل ۳:

قرآن مجید کی فضیلت وعظمت کے بارے ضعیف روایات

قرآن مجید کی فضیلت وعظمت کے بارے جہاں بہت سی صحیح اَحادیث منقول ہیں، وہاں ضعیف، موضوع اور نا قابل استدلال احادیث بھی کتب احادیث میں روایت ہوئی ہیں۔ جن ضعیف اور کذاب راویوں نے ایسی روایات گھڑی ہیں، اگر چہ ان کی نیت یہ تھی کہ لوگ قرآن مجید میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لیں، جیسا کہ بعض ایسے راویوں نے خود اس کی وضاحت بھی کی ہے۔☆ لیکن دین اسلام میں اس بات کی قطعاً کوئی اجازت نہیں دی گئی کہ اچھی نیت کے ساتھ دین وشریعت میں اضافہ کرلیا جائے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے دوٹوک یہ ارشاد فرمایا:

((مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہُ مِنَ النَّارِ))

''جس نے جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ منسوب کیا، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔''(۱)

اس فصل میں اختصار کے ساتھ صرف ان اَحادیث کوذکر کیا جارہا ہے جونا قابلِ استدلال اور غیر مستند ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ فضائل قرآن میں ایسی غیر مستند روایات کو بنیاد بنانے کی بجائے گزشتہ فصل میں مذکور صحیح ومستند روایات کو بنیاد بنائیں۔

(۱) : ((عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ: لَوْ جُعِلَ الْقُرْآنُ فِیْ إِھَابٍ ثُمَّ اُلْقِیَ فِی النَّارِ مَا احْتَرَقَ))

''حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے یہ ارشاد سنا کہ اگر قرآن مجید کو چمڑے میں رکھا جائے پھر اس چمڑے کو آگ میں ڈال دیا جائے تو وہ نہیں جلے گا۔''(۲)

اس روایت کی صحت میں اختلاف ہے۔ بعض اہل علم نے اسے ضعیف قرار دیا ہے مگر اس کی دیگر اسناد کے

☆......[دیکھیے: الموضوعات لابن الجوزیؒ (ج۱ص۴۱)]

(۱) [صحیح بخاری، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی (ح۱۱۰) صحیح مسلم، المقدمہ (ح۳)]

(۲) [مسند دارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرا القرآن (ح۳۳۱۰) نیز دیکھیے: احمد (ج۴ص۱۵۱، ۱۵۵) المعجم الکبیر للطبرانی (ج۱۷ص۳۰۸) مسند ابی یعلیٰ (ح۱۷۴۵) شعب الایمان (ج۲ص۵۵۴)]

پیش نظر بعض اہل علم اسے قابل احتجاج روایت قرار دیتے ہیں جیسا کہ شرح السنة (ج۴ص۴۳۶) کی تخریج میں علامہ شعیب ارناؤط نے اور الاتقان فی علوم القرآن (ج۲ص۳۴۰) کی تخریج میں علامہ فواز احمد زمرلی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ اگر بالفرض اسے قابل احتجاج تسلیم کیا جائے تو پھر اس کا ظاہری معنی مراد نہیں لیا جائے گا جیسا کہ علامہ ابوعبیدؒ نے اپنی کتاب فضائل القرآن (ص۲۳) میں کہا ہے کہ: ''اِهَـــابٌ سے مراد مومن کا دل اور پیٹ ہے جس میں اس نے قرآن رکھا ہے۔'' مطلب یہ کہ جس سینے میں قرآن ہوگا، وہ جہنم کی آگ میں نہیں جاسکتا۔ یہی بات امام بیہقیؒ سے بھی مروی ہے۔ [شعب الایمان: ج۲ص۵۵۵]

ابن الانباریؒ کہتے ہیں کہ ''اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کو آگ میں ڈال دینے کے باوجود دنیا سے قرآن کا نام ونشان ختم نہیں ہوسکتا اور نہ ہی لوگوں کے ان کانوں سے اسے نکالا جاسکتا ہے جس سے انہوں نے اسے سنا ہے اور نہ ہی ان کے حافظوں سے اسے کھرچا جاسکتا ہے۔'' [الاتقان فی علوم القرآن: ج۲ ص۳۴۰]

(۲) : ((عن علیؓ قال قال رسول الله ﷺ: مَنْ قَرَءَ الْقُرْآنَ فَاسْتَظْهَرَهُ فَاَحَلَّ حَلاَلَهُ وَحَرَّمَ حَرَامَهُ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ وَشَفَّعَهُ فِيْ عَشَرَةٍ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ كُلُّهُمْ قَدْ وَجَبَتْ لَهُ النَّارُ))

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے قرآن پڑھا، اسے حفظ کرلیا، اس کے حلال کو حلال سمجھا اور حرام کو حرام جانا، تو اسے اللہ تعالیٰ جنت میں داخل فرمائیں گے اور اس کے گھر والوں میں سے ایسے دس بندوں کے حق میں اس کی سفارش قبول فرمائیں گے جن کا جہنم میں جانا واجب ہو چکا تھا۔''[1]

(۳) : ((عن انس بن مالکؓ قال قال رسول الله ﷺ: ((عُرِضَتْ عَلَيَّ اُجُوْرُ اُمَّتِيْ حَتَّى الْقَذَاةِ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ مِنَ الْمَسْجِدِ وَعُرِضَتْ عَلَيَّ ذُنُوْبُ اُمَّتِيْ فَلَمْ اَرَ ذَنْبًا اَعْظَمَ مِنْ سُوْرَةٍ مِّنَ الْقُرْآنِ اَوْ آيَةٍ اُوْتِيَهَا رَجُلٌ ثُمَّ نَسِيَهَا))

(۱) [مسند احمد (ج۱ص۱۴۸) ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل قاری القرآن (ح۲۹۰۵) ابن ماجه، المقدمه، باب فضل من تعلم القرآن وعلمه (ح۲۱۶) ضعیف ترمذی للالبانیؒ (ح۵۰۳) اس کی سند میں حفص بن سلیمان نامی ایک ضعیف راوی ہے]

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ مجھ پر میری امت کے اَجر پیش کیے گئے حتیٰ کہ آدمی کا مسجد سے تنکا اٹھا دینا بھی ایک اَجر کا کام ہے۔ اور مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے، میں نے دیکھا کہ ان میں سب سے بڑا گناہ یہ تھا کہ کسی شخص کو قرآن مجید کی ایک سورت یا ایک آیت یاد کرنے کی توفیق ملی مگر اس کے باوجود اس نے اسے بھلا دیا۔''(۱)

(٤) : ((عن سعد بن عبادة قال قال رسول الله ﷺ : مَا مِنْ اِمْرِءٍ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ ثُمَّ يَنْسَاهُ اِلَّا لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَجْذَمَ))

''حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قرآن مجید کو پڑھتا (اور یاد کر لیتا) ہے اور پھر اسے بھلا دیتا ہے، تو وہ قیامت کے روز اس حالت میں اٹھے گا کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا (یا کوڑھ زدہ) ہوگا۔''(۲)

(٥) : ((عن معاذ بن الجهني قال قال رسول الله ﷺ : مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ وَعَمِلَ بِمَا فِيْهِ اُلْبِسَ وَالِدٰهُ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَوْءُهُ اَحْسَنَ مِنْ ضَوْءِ الشَّمْسِ فِيْ بُيُوْتِ الدُّنْيَا لَوْ كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَنُّكُمْ بِالَّذِيْ عَمِلَ بِهٰذَا))

''حضرت معاذ جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے، قیامت کے دن اس کے والدین کو ایک تاج پہنایا جائے گا جس کی روشنی ایسی ہوگی کہ اگر سورج بھی تمہارے گھروں میں اتر آئے تو پھر بھی اس کی روشنی اس کا مقابلہ نہ کر سکے گی۔ پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ جو شخص خود قرآن کے مطابق عمل کرنے والا ہے، اس کی کیا شان ہوگی!''(۳)

(٦) : ((عن الحارث الاعور قال مررت في المسجد فاذا الناس يخوضون في

(۱) [سنن ترمذی، کتاب فضائل من القرآن، باب لم ارذنبا اعظم من سورة او تيها رجل ثم نسيها (ح ٢٩١٦) سند منقطع ہونے کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے]

(۲) [ضعیف ابو داؤد، کتاب الوتر، باب التستديد فيمن حفظ القرآن ثم نسيه (ح ١٤٧١) دارمی (ح ٣٣٤٠) اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد نامی ایک راوی ضعیف راوی ہے]

(۳) [مسند احمد (ج ٣ ص ٤٤٠) ابو دائود، کتاب الوتر، باب فی ثواب قراءة القران (ح ١٤٥٣) اس کی سند میں زبان بن فائد نامی ضعیف راوی ہے]

الاحادیث فدخلت علی علیٌّ فقلت یاامیرالمومنین! الاتری الناس قد خاضون فی الاحادیث؟ فقال اوقد فعلوها ؟ قلت: نعم ، قال: اماانی سمعت رسول الله ﷺ یقول: الا انها ستکون فتنة، قلت : ماالمخرج منها یا رسول الله ؟ قال : کتاب الله فیه نبأ ما قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ماینکم وهو الفضل لیس بالهزل من ترکه من جبار قصمه الله ومن ابتغی الهدی فی غیره اضله الله وهو حبل الله المتین وهو الذکر الحکیم وهو الصراط المستقیم هو الذی لاتزیغ به الاهواء ولاتلتبس به الالسنة ولایشبع منه العلماء ولایخلق عن کثرة الرد ولاینقضی عجائبه هوالذی لم تنته الجن اذسمعته حتی قالوا انا سمعنا قرانا عجبا یهدی الی الرشد فامنا به من قال به صدق ومن عمل به اجرومن حکم به عدل ومن دعاالیه هدی الی صراط مستقیم))

’’حارث اعور بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں (کوفے کی) مسجد میں لوگوں کے پاس سے گزرا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ لایعنی باتوں میں مشغول ہیں۔ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اورانہیں اس چیز کی خبردی (کہ لوگ اس طرح مسجد میں بیٹھ کر فضول باتیں کررہے ہیں) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیالوگ واقعی ایسا کررہے ہیں؟ میں نے عرض کیاہاں! توانہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا:’’آگاہ رہو! عنقریب ایک فتنہ برپا ہونے والا ہے۔‘‘میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! اس سے بچنے کی صورت کیا ہوگی ؟ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا:’’اللہ کی کتاب کولازم پکڑنا، اس میں اس چیز کی خبر بھی ہے کہ تم سے پہلی قوموں پر کیا گزری اوراس چیز کا بیان بھی ہے کہ تمہارے بعدآنے والوں پر کیا گزرے گی اوراس چیز کا ذکر بھی ہے کہ تمہارے معاملات کے درمیان فیصلہ کرنے کی صورت کیا ہے۔ یہ قرآن ایک سنجیدہ اور فیصلہ کن کلام ہے،کوئی مذاق کی چیز نہیں ہے۔ جوظالم وجبارشخص اس قرآن کوچھوڑے گا،اللہ تعالیٰ اس کوکچل کررکھ دے گا اور جواسے چھوڑ کرکسی اورچیز سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا،اللہ اسے گمراہ کردے گا اور یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے اور یہ حکیمانہ نصیحت ہے اور یہی سیدھاراستہ ہے۔ یہ قرآن وہ چیز ہے کہ تخیلات اسے غلط راستے پر نہیں لے جاسکتے اورزبانیں اس میں کسی قسم کی آمیزش نہیں کرسکتیں۔اورعلماء کبھی اس سے سیر نہیں ہوسکتے۔اورخواہ اس کوکتنا ہی پڑھا جائے، یہ پرانا نہیں ہوتا اوراس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں

گے۔ یہ قرآن ایسی چیز ہے کہ جب جنوں نے اس کو سنا تو وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ''ہم نے ایک بڑا ہی عجیب قرآن سنا ہے جو راہِ راست کی طرف راہنمائی کرتا ہے، اس لیے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں'' جو شخص قرآن کے مطابق بات کرے گا وہ سچی بات کرے گا اور جو اس کے مطابق عمل کرے گا، یقیناً اجر پائے گا اور جو اس کے مطابق فیصلہ کرے گا، ضرور عدل کا فیصلہ کرے گا اور جو لوگوں کو اس کی پیروی کی دعوت دے گا، وہ سیدھے راستے کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرے گا۔''[1]

(۷) : ((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ :اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِهٖ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْآنِ كَالْبَیْتِ الْخَرِبِ))

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے سینے میں قرآن نہیں، اس کی مثال اُجڑے ہوئے گھر کی سی ہے۔''[2]

سورتوں کے بارے میں چند ضعیف روایات

سورۃ الفاتحہ کے بارے ضعیف روایات:

(۸): جن روایات میں سورۃ الفاتحہ کو قرآن کے تہائی کے مساوی قرار دیا گیا ہے، وہ سب ضعیف ہیں۔[3]

سورۃ آل عمران کے بارے ضعیف روایات:

(۹) : حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے سورۃ آل عمران کی تلاوت کی، اسے اس سورت کی ہر آیت کے بدلے جہنم کے پل (پل صراط) پر امان دی جائے گی۔''[4]

---

(۱) [ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل القران (ح ۲۹۰۶) دارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من قرأ القرآن (ح ۳۳۳۱) اس روایت میں حارث اعور بجائے خود ایک ضعیف راوی ہے]

(۲) [ترمذی، کتاب فضائل القرآن، (باب ۱۸ـ ح ۲۹۱۳) مسند دارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من یقرء القرآن (ح ۳۳۰۶) اس کی سند میں قابوس بن ابی ظبیان ضعیف راوی ہے]

(۳) [ابن جوزیؒ نے اس روایت کو موضوع (من گھڑت) قرار دیا ہے دیکھئے: الموضوعات، لابن الجوزی (ج ۱ ص ۲۳۹) نیز دیکھیے: مجمع الزوائد (ج ٦ ص ۳۱۱) المعجم الاوسط للطبرانیؒ (ح ۴۵۹۱)]

(٤) [الموضوعات، ایضاً]

سورۃ النساء، سورۃ المائدۃ، سورۃ الانعام، سورۃ الاعراف، سورۃ الانفال، سورۃ یونس اور سورۃ ھود وغیرہ کے بارے ضعیف روایات:

(۱۰) : حضرت اُبیؓ سے مروی گزشتہ روایت ہی میں سورۃ النساء، سورۃ المائدۃ، سورۃ الانعام، سورۃ الاعراف، سورۃ الانفال، سورۃ یونس، سورۃ ھود وغیرہ کی بھی عجیب وغریب فضیلت مذکور ہے مگر امام ابن جوزیؒ نے اسے بھی موضوع (من گھڑت روایت) قرار دیا ہے۔

(۱۱) : ایک روایت میں ہے کہ ''جمعہ کے روز سورۂ ہود پڑھا کرو۔'' یہ روایت بھی ضعیف ہے۔[۱]

(۱۲) : ((عَنْ أَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ : مَنْ قَرَءَ ثَلَاثَ آیَاتٍ مِّنْ أَوَّلِ سُوْرَةِ الْكَهْفِ عُصِمَ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ ﴾

''حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے سورۂ کہف کی شروع کی تین آیات کی تلاوت کی، وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔''[۲]

سورۂ یٰسٓ کے بارے ضعیف روایات:

سورۂ یٰسٓ کی فضیلت کے بارے مروی تمام روایات ضعیف ہیں، چند ایک درج ذیل ہیں:

(۱۳) : ((عن انسؓ قال قال رسول الله ﷺ :إِنَّ لِكُلِّ شَیْءٍ قَلْباً وَقَلْبُ الْقُرْآنِ ﴿یٰسٓ﴾ وَمَنْ قَرَأَ ﴿یٰسٓ﴾ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِقِرَاءَتِهَا قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ عَشْرَ مَرَّاتٍ))

''حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے اور قرآن مجید کا دل سورۂ یٰسٓ ہے، جس شخص نے سورۂ یٰسٓ کی تلاوت کی، اس کے لیے اللہ تعالیٰ اس کی تلاوت کے بدلے دس قرآن مجید پڑھنے کا ثواب لکھے گا۔''[۳]

(۱٤) : عن ابی ہریرۃؓ قال:قال رسول الله ﷺ : إِنَّ اللّٰهَ تَعَالیٰ قَرَأَ ﴿طٰهٰ﴾ وَ﴿یٰسٓ﴾ قَبْلَ

---

(۱) [ضعیف الجامع الصغیر(ح۱۱٦۸)]

(۲) [ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل سورۃ الکھف(ح۲۸۸٦) یہ روایت صحیح مسلم وغیرہ کی ان روایات کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاذ (ضعیف) ہے جن میں سورۃ الکہف کی پہلی دس آیات کا ذکر ہے]

(۳) [ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل یس (ح ۲۸۸۷) اس کی سند میں ہارون نامی ایک راوی مجہول ہے]

اَنْ یَّخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ بِاَلْفِ عَامٍ فَلَمَّا سَمِعَتِ الْمَلَائِکَةُ الْقُرْآنَ قَالَتْ: طُوْبٰی لِاُمَّةٍ یَنْزِلُ هٰذَا عَلَیْهَا وَطُوْبٰی لِاَجْوَافٍ تَحْمِلُ هٰذَا وَطُوْبٰی لِاَلْسِنَةٍ تَتَکَلَّمُ بِهٰذَا))

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمانے سے ایک ہزار سال پہلے سورۃ طٰہٰ اور یٰسٓ کی تلاوت کی۔ جب فرشتوں نے قرآن مجید کو سنا تو انہوں نے کہا (وہ) امت خوش قسمت ہے جس پر اس قرآن کا نزول ہوگا اور وہ سینے خوش قسمت ہیں جو اس قرآن کو یاد کریں گے اور وہ زبانیں خوش قسمت ہیں جو اس کی تلاوت کریں گی۔''[1]

(۱۵) : ایک روایت میں ہے: ''جس شخص نے اللہ کی رضا کے لیے (جمعہ کی) رات کو سورۂ یٰس کی تلاوت کی، اس رات اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کردیں گے۔''[2]

(۱۶) :ایک روایت میں ہے: ''جس شخص نے اللہ کی رضا کے لیے سورۂ یٰس کی تلاوت کی، اس کے سارے گناہ معاف کردیے جاتے ہیں لہٰذا قریب المرگ لوگوں کے پاس اس کی تلاوت کیا کرو۔''[3]

(۱۷) :ایک روایت میں ہے کہ ''مرنے والے کے پاس اگر سورۂ یاسین کی تلاوت کی جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر آسانی فرمادیتے ہیں۔''[4]

(۱۸) : ایک روایت میں ہے کہ ''قرآن مجید میں ایک ایسی سورت ہے جو اپنے پڑھنے والے کی شفاعت کرے گی اور اس کے سننے والے کو بھی بخش دیا جائے گا۔ وہ سورۂ یاسین ہے۔ یہ اپنے پڑھنے والے کو دنیا کی بھلائیاں عطا کرتی ہے، آخرت کی پریشانیاں دور کرتی ہے، دنیا میں اس کی ہر مصیبت دور کرتی ہے اور ہر حاجت پوری کرتی ہے۔ جس نے اسے ایک مرتبہ پڑھا، اسے بیس (۲۰) حج کا

---

(۱) [مسند دارمی، کتاب فضائل القرآن، باب فی فضل سورة طه ویس (ح ۳٤۱٤) بحوالہ: مشکوٰۃ المصابیح (ح ۲۱٤۸) اس حدیث کی سند میں ابراہیم بن مہاجر نامی ایک راوی ضعیف ہے۔ نیز دیکھیے: سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة، للالبانیؒ (ح ۱۲٤۸)]

(۲) [مسند دارمی (۲ ص ٤٥۷) ابو یعلی (ح ٦۲۲٤) ابن حبان (۲٥۷٤) الموضوعات (ج ۱ ص ۲٤۷) سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة، للالبانیؒ (ج ۱۱ ص ۱۹۱) ضعیف]

(۳) [شعب الایمان، باب فی تعظیم القرآن (ح ۲٤٥۸) مشکوة، بتحقیق البانیؒ (ج ۱ ص ٦٦۸) الجامع الصغیر للالبانیؒ (ح ٥۷۹۷) ضعیف]

(٤) [مسند دیلمی (ح ٦۰۹۹) تفسیر الدر المنثور (ج ٥ ص ٤۸۲) سلسلة الاحادیث الضعیفة (ح ٦۳۲) ضعیف]

ثواب ملتا ہے اور جس نے اس کو ایک مرتبہ سنا، اسے ایک ہزار دینار اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے اور جس نے اسے کاغذ پر لکھا پھر اس کاغذ کو دھو کر اس کا پانی پی لیا، اس کے پیٹ میں ایک ہزار دوائیں، ایک ہزار نور، ایک ہزار یقین، ایک ہزار رحمتیں، اُلفتیں اور ہدایتیں داخل کر دی جاتی ہے اور اس کی ہر بیماری اور کینہ نکال دیا جاتا ہے۔''(۱)

(۱۹) :ایک روایت میں ہے:''ہر چیز کا دل ہے اور سورۂ یاسین قرآن کا دل ہے۔ جس نے رات کو اسے پڑھا، وہ صبح تک آسانی میں رہے گا اور جس نے صبح کو اسے پڑھا، وہ سارا دن آسانی میں رہے گا اور اہل جنت کے پاس جب قرآن لایا جائے گا تو وہ اس میں سے صرف سورت طٰہٰ اور یٰس ہی پڑھیں گے۔''(۲)

(۲۰) :ایک روایت میں ہے کہ''جس نے قبرستان میں جا کر سورۂ یاسین کی تلاوت کی، اللہ تعالیٰ اس روز اس قبرستان کے مردوں کے عذاب میں کمی کر دے گا اور اس پڑھنے والے کو اس قبرستان کے مردوں کی تعداد کے برابر نیکیاں عطا کرے گا۔''(۳)

(۲۱) :ایک روایت میں ہے:''ہر رات سورۂ یاسین کی تلاوت کرنے والا، شہید کی موت مرے گا۔''(٤)

(۲۲) :ایک روایت میں ہے کہ''سورۂ یاسین جس مقصد کے لیے پڑھی جائے، وہ حاصل ہوگا۔''(٥)

سورۂ یاسین سے متعلقہ ایک تجرباتی عمل:

یحییٰ بن ابی کثیرؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی کہ''جس نے رات کو سورۂ یاسین پڑھی، وہ صبح تک خوشی میں رہے گا۔'' اور مجھے یہ بات ان لوگوں نے بھی بیان کی جنھوں نے اس کا تجربہ کیا۔(٦)

ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ تجربہ اس بات کی تصدیق کرتا ہے۔(۷)

یہ انفرادی نوعیت کا ایک تجرباتی عمل ہے اور ضروری نہیں کہ ہر مرتبہ یہ درست ثابت ہو البتہ تلاوتِ قرآن

---

(۱) [شعب الایمان (ح ٢٤٦٥) ابن جوزی نے اسے موضوع (من گھڑت) قرار دیا ہے دیکھیے: الموضوعات لابن الجوزی (ج۱ ص ۲٤۷) نیز دیکھیے: سلسلة الاحادیث الضعیفة (ح۳۲۹۳)]

(۱) [تفسیر قرطبی (ج۱۵ ص ۷) محقق عبدالرزاق مہدی نے اس تفسیر کی تخریج میں اسے باطل قرار دیا ہے]

(۳) [سلسلة الاحادیث الضعیفة (ح۱۲٤٦) الکامل لابن عدیؒ (ج ٥ ص ۱٥۲) سنده ضعیف]

(٤) [یہ روایت بھی غیر مستند ہے۔ دیکھیے: المعجم الاوسط للطبرانی (ح ۷۰۱٤)]

(٥) [یہ روایت بھی غیر مستند ہے۔ دیکھیے: المقاصد الحسنة (ص ٤۹۳)] (٦+۷) [تفسیر قرطبی ایضاً]

مجید کی برکت اپنی جگہ مسلمہ حیثیت رکھتی ہے، خواہ یہ تلاوت سورۂ یاسین کی کی جائے یا کسی اور سورت کی۔

سورۂ غافر (حم المومن) کے بارے ضعیف روایات:

(۲۳) : ((عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ: مَنْ قَرَأَ ﴿حٰمٓ﴾ اَلْمُؤْمِنُ، اِلٰی: ﴿اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ﴾ وَآیَةُ الْکُرْسِیِّ حِیْنَ یُصْبِحُ حُفِظَ حَتّٰی یُمْسِیَ وَمَنْ قَرَءَ بِهِمَا حِیْنَ یُمْسِیَ حُفِظَ بِهِمَا حَتّٰی یُصْبِحَ))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے سورۂ حم المومن (یعنی سورۂ غافر) کی ''الیہ المصیر'' تک اور آیت الکرسی کی صبح کے وقت تلاوت کی تو ان دونوں کی برکت سے وہ شام تک (اللہ کی) حفاظت میں رہے گا اور جس شخص نے ان دونوں کی شام کے وقت تلاوت کی تو وہ ان دونوں کی برکت سے صبح تک (اللہ کی) حفاظت میں رہے گا۔''[1]

سورۂ دخان کے بارے ضعیف روایات:

(۲۴) : ((عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ : مَنْ قَرَءَ ﴿حٰمٓ﴾ اَلدُّخَانُ فِیْ لَیْلَةٍ اَصْبَحَ یَسْتَغْفِرُ لَهُ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے رات کو سورۂ دخان کی تلاوت کی، تو وہ اس حالت میں صبح کرے گا کہ ستر ہزار فرشتے اس کے لیے استغفار کر رہے ہوں گے۔''[2]

(۲۵) : عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ : مَنْ قَرَأَ ﴿حم﴾ الدخان فی لَیْلَةِ الْجُمُعَةِ غُفِرَ لَهُ))[3]

(۱) [جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل سورۃ البقرۃ……(ح ۲۸۷۹) ضعیف الجامع الصغیر (ح ۵۷۸۱) اس حدیث کی سند میں عبدالرحمن بن ابوبکر نامی ایک راوی ضعیف ہے۔]

(۲) [جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل حم الدخان (ح ۲۸۸۸) شعب الایمان (۲ ص ۴۸۴) ضعیف ترمذی (ح ۵۴۴) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ''یہ حدیث غریب ہے اور عمر بن ابی خثعم راوی کو حدیث میں ضعیف سمجھا جاتا ہے، نیز امام بخاریؒ نے اس راوی کو منکر الحدیث کہا ہے''۔]

(۳) [جامع ترمذی ایضاً (ح ۲۸۸۹) ضعیف ترمذی (ح ۵۴۵) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ ''اس حدیث میں ہشام ابو المقدام نامی راوی ضعیف قرار دیا جاتا ہے''۔]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جمعۃ المبارک کی رات سورۃ الدخان کی تلاوت کی، اس کے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

سورۂ رحمٰن کے بارے ضعیف روایات:

(۲۶): ایک روایت میں ہے ''ہر چیز کا عروس (زینت، جوڑا) ہوتا ہے اور قرآن کا عروس سورۂ رحمٰن ہے''[(۱)]

سورۃ الواقعہ کے بارے ضعیف روایات:

(۲۷) : ایک روایت میں ہے ''جو شخص سورۃ الواقعہ کہ تلاوت کرے گا، اسے کبھی فاقہ نہیں پہنچے گا''[(۲)]

(۲۸) : ایک روایت میں ہے کہ ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انہیں ملنے کے لیے تشریف لائے اور ان سے پوچھا اے ابن مسعود! آپ اس وقت کس چیز کا شکوہ کرتے ہیں؟ وہ کہنے لگے: اپنے گناہوں کا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ کس چیز کی طمع کرتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: اپنے رب کی رحمت کی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ کے لیے کسی ڈاکٹر کا انتظام کریں؟ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: ڈاکٹر ہی (یعنی اللہ ہی) نے تو مجھے مریض بنایا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا ہم آپ کے لیے کوئی مالی تعاون کر دیں؟ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں، جب زندگی میں مجھے اس کی ضرورت تھی، تب آپ نے اسے مجھ سے روکے رکھا اور جب میری موت کا وقت آ پہنچا تو اب آپ مجھ پر فیاضی کر رہے ہیں۔ (یعنی پہلے ایسا کرتے تو مجھے فائدہ ہوتا، اب مجھے اس سے کیا فائدہ۔تو) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ آپ کی بیٹیوں کے کام آ جائے گا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم اس بات کا خدشہ رکھتے ہو کہ میرے بعد میری بیٹیاں فقر و فاقہ کا شکار ہو جائیں گی! ایسا نہیں ہو سکتا، کیوں کہ میں نے انہیں یہ حکم دے رکھا ہے کہ وہ ہر رات سورۃ الواقعہ کی تلاوت کریں۔ اس لیے کہ میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہے کہ جو شخص ہر رات سورۃ الواقعہ کی تلاوت کرے گا، اسے کبھی فاقہ نہیں پہنچے گا۔''[(۳)]

---

(۱) [شعب الایمان ، باب فی تعظیم القرآن (ح ۲٤۹٤) سلسلة الاحادیث الضعیفة (ح ۱۳۵۰) اس کی سند میں احمد بن حسن نامی ایک راوی ضعیف ہے۔]

(۲) [سلسلة الاحادیث الضعیفة (ج ۱ ص ۲۸۹) سنده ضعیف]

(۳) [فضائل القرآن لابن الضریس (۲۲٦) العلل لابن الجوزی (۱۵۱) ابن السنی (٦۸۰) تفسیر قرطبی (ج ۱۷ ص ۱٦۷) اس تفسیر کے محقق نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔]

سورۃ الحشر کے بارے ضعیف روایات:

(۲۹) : عن معقل بن یسارؓ عن النبی ﷺ قال: من قال حین یصبح ثلاث مرات : اعوذ باالله السمیع العلیم من الشیطان الرجیم ،فقرا ثلاث آیات من آخر سورۃ الحشر وکل الله به سبعین الف ملك یصلون علیه حتی یمسی وان مات فی ذلك الیوم مات شهیدا ومن قالها حین یمسی کان بتلك المنزلة))

''حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے صبح کے وقت تین مرتبہ یہ کلمات کہے: ''اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ''،اس کے بعد سورۂ حشر کی آخری تین آیات کی تلاوت کی تو اللہ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے مقرر فرما دیتے ہیں جو شام تک اس کے لیے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور اس دن اگر اسے موت آ جائے تو اس کی موت شہادت کی موت شمار ہوگی۔ اسی طرح جو شخص شام کو یہ پڑھے، اسے بھی یہی اَجر ملتا ہے۔''(۱)

سورۃ الملک کے بارے ضعیف روایات:

(۳۰) : عن ابن عباسؓ قال ضَرَبَ بَعْضُ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ خِبَاءَهُ عَلٰی قَبْرٍ وَهُوَ لَا یَحْسِبُ اَنَّهُ قَبْرٌ فَاِذَا فِیْهِ اِنْسَانٌ یَقْرَءُ سُوْرَةَ ﴿تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ﴾ حَتّٰی خَتَمَهَا فَاَتَی النَّبِیَّ ﷺ فَاَخْبَرَهُ فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: هِیَ الْمَانِعَةُ هِیَ الْمُنَجِّیَةُ تُنْجِیْهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ))

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی نے ایک قبر پر خیمہ لگایا، مگر اسے یہ معلوم نہ تھا کہ یہاں قبر ہے۔ اچانک اس جگہ (آواز آئی کہ) ایک شخص سورت ''تبارک الذی بیدہ الملک'' کی تلاوت کر رہا ہے حتیٰ کہ اس (صاحبِ قبر) نے پوری سورت پڑھی۔ پھر وہ صحابی اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں آیا اور آپ ﷺ کو یہ واقعہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ سورت (عذابِ قبر سے) محفوظ رکھنے والی ہے۔ یہ سورت اللہ کے عذاب سے نجات دینے والی ہے۔''(۲)

(۱) [ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب فی فضل قراءۃ آخر سورۃ الحشر (ح ۲۹۲۲) دارمی (ح ۳۴۲۵) اس کی سند میں موجود خالد بن طہمان راوی کے خرابیٔ حافظہ (اختلاط) کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔ شعب الایمان (۲/ ۴۹۲) الکامل (۳/ ۳۱۷) میں ہے ''اس روز مرنے والے کے لیے جنت واجب کردی جاتی ہے'' مگر یہ سند بھی ضعیف ہے]

(۲) [ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل سورۃ الملك (۲۸۹۰) اس روایت کی سند میں یحییٰ بن عمرو نامی راوی ضعیف ہے۔ نیز اس کی سند منقطع (مرسل) ہے]

(۳۱) : عن جابرؓ ان النبی ﷺ کان لاینام حتی یقرأ : ﴿الٓمٓ تَنْزِیْلُ﴾ و ﴿تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ﴾......))

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب تک ''الم تنزیل'' اور ''تبارک الذی'' (سورتیں) تلاوت نہ کرتے، سوتے نہیں تھے۔''[۱]

(۳۲) :ایک روایت میں ہے کہ ''آپؐ نے فرمایا کہ میری یہ خواہش ہے کہ ہر مسلمان کو سورۃ الملک یاد ہونی چاہیے۔''[۲]

سورۃ الاعلیٰ کے بارے ضعیف روایات:

(۳۳) :ایک روایت میں اللہ کے رسول ﷺ نے سورۂ اعلیٰ کو ان تمام سورتوں سے افضل قرار دیا جو تسبیح کے کلمات سے شروع ہوتی ہیں۔ مگر اس کی سند ضعیف ہے۔[۳]

سورۃ الفجر، سورۃ الانشراح اور سورۃ الفیل کے بارے ضعیف روایات:

(۳۴) :ایک روایت میں ہے کہ ''جس شخص نے نماز فجر میں سورۃ الفجر اور سورۃ الانشراح اور سورۃ الفیل کی تلاوت کی، وہ ہلاک نہ ہوگا۔'' (اور نہ آشوبِ چشم کا شکار ہوگا)[٤]

سورۃ البینۃ کے بارے ضعیف روایات:

(۳۵) :ایک روایت میں ہے کہ ''جب کوئی شخص سورۃ البینۃ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تلاوت سنتے ہیں اور کہتے ہیں: اے میرے بندے! خوش ہو جا، میری عزت کی قسم! میں تمہیں جنت میں ایسا مقام و مرتبہ عطا کروں گا کہ تو راضی ہو جائے گا۔''[٥]

---

(۱) [ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل سورۃ الملک (ح ۲۸۹۲) اس روایت کی سند میں لیث نامی راوی ضعیف ہے]

(۲) [مستدرک حاکم (ج ۱ ص ٥٦٥) اس کی سند میں حفص بن عمر نامی راوی ضعیف ہے]

(۳) [فضائل القرآن لابی عبید (ص ۲۰۹) اس کی سند میں ابن لھیعہ نامی ایک راوی ضعیف ہے۔ علاوہ ازیں اس کی سند بھی مرسل (منقطع) ہے۔]

(٤) [سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة (ح ٦٧) سنده ضعیف]

(٥) [معرفة الصحابة، لابی نعیم (ح ١٠٦٠) اسد الغابة، لابن اثیر (ج ١ ص ٩٦) اس کی سند منقطع ہے۔ ابن اثیرؒ نے ابن مندہؒ کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا کہ یہ روایت منکر (سخت ضعیف) ہے]

سورۃ الزلزال، العادیات، التکاثر، الکافرون، النصر اور الاخلاص کے بارے ضعیف روایات:

(۳۶) : ایک روایت میں ہے کہ ''اللہ کے رسول ﷺ کے پاس ایک صحابی آیا، آپؐ نے اس سے پوچھا: کیا تمہاری شادی ہو چکی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، اللہ کے رسول! اللہ کی قسم میرے پاس تو شادی کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ) نہیں آتی؟ اس نے کہا: جی ہاں، آتی ہے۔ (تو آپؐ نے فرمایا) یہ تو قرآن کا ایک تہائی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں سورۂ نصر (اذا جاء نصر اللہ) یاد نہیں؟ اس نے کہا: کیوں نہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں سورۂ کافرون یاد نہیں؟ اس نے کہا: جی یاد ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بھی ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہیں سورۂ زلزال یاد نہیں؟ اس نے کہا: جی یاد ہے تو آپؐ نے فرمایا: یہ بھی ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اسے کہا: شادی کرلو، شادی کرلو۔''(۱)

(۳۷) : حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے سورۂ زلزال کی تلاوت کی، اسے نصف قرآن کے برابر ثواب ملے گا اور جس نے سورۂ کافرون اور سورۂ اِخلاص کی تلاوت کی، اسے چوتھائی قرآن پڑھنے کے برابر ثواب ملے گا۔''(۲)

(۳۸) : حسن بصریؒ سے مروی ایک مرسل (ضعیف) روایت میں سورۂ عادیات اور سورۂ زلزال کو اَجر کے لحاظ سے نصفِ قرآن کے برابر قرار دیا گیا ہے۔(۳)

(۳۹) : ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم میں سے کوئی شخص یہ طاقت نہیں رکھتا کہ روزانہ ایک ہزار آیات کی تلاوت کرے؟ لوگوں نے (اسے مشکل سمجھتے ہوئے) کہا: کون ہے جو یہ طاقت رکھے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم یہ طاقت نہیں رکھتے کہ سورۂ تکاثر: ﴿ أَلْهَـٰكُمُ ٱلتَّكَاثُرُ...... ﴾ پڑھ لیا کرو۔''(۴)

---

(۱) [جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی اذا زلزلت (ح ۲۸۹۵) اس کی سند میں سلمہ بن وردان نامی راوی ضعیف (منکر الحدیث) ہے۔]

(۲) [جامع ترمذی، ایضاً (ح ۲۸۹۳) اس کی سند میں حسن بن سلم نامی راوی ضعیف (مجہول) ہے۔]

(۳) [فضائل القرآن، لأبی عبیدؒ (ص ۲۶۳) یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے]

(۴) [حاکم (ج۱ ص ۵۶۶) شعب الایمان (ج۲ ص ۴۹۸) اس کی سند میں عقبہ بن محمد بن عقبہ نامی راوی ضعیف ہے]

(٤٠) : عن انس عن النبی ﷺ قال: مَنْ قَرَأَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَتَیْ مَرَّةٍ :﴿قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ﴾ مُحِيَ عَنْهُ ذُنُوْبُ خَمْسِيْنَ سَنَةً اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ عَلَيْهِ دَيْنٌ))

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے روزانہ دوسومرتبہ: ﴿قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ......﴾ (یعنی سورۂ اخلاص) کی تلاوت کی، اس کے پچاس سال کے گناہ معاف کردیئے جائیں گے بشرطیکہ اس کے ذمہ کسی کا قرض نہ ہو۔''(۱)

(٤١) : عن انس عن النبی ﷺ قال: مَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنَامَ عَلٰى فِرَاشِهٖ فَنَامَ عَلٰى يَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَرَاَ مِائَةَ مَرَّةٍ : ﴿قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ......﴾ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: يَا عَبْدِیْ ! اُدْخُلْ عَلٰى يَمِيْنِكَ الْجَنَّةَ))

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے بستر پر سونے کا ارادہ کرے تو وہ دائیں جانب لیٹ کر سومرتبہ'' ﴿قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ......﴾ (یعنی سورۂ اخلاص) تلاوت کرے، تو قیامت کے روز اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے کہے گا: اے میرے بندے! تو جنت میں دائیں جانب سے داخل ہوجا۔''(۲)

(۴۲) : ایک روایت میں ہے کہ'' جو شخص مرض الموت کی حالت میں سورۃ الاخلاص کی تلاوت کرے اور اسی حالت میں مرجائے تو اسے قبر کے فتنے اور قبر کے دبانے سے محفوظ کردیا جائے گا۔ اور روزِ قیامت فرشتے اسے اپنی ہتھیلیوں پر اٹھا کر پل صراط پار کرادیں گے اور جنت میں پہنچادیں گے۔''(۳)

......☆......

(۱) [جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فی سورہ الاخلاص (ح ۲۸۹۸) ضعیف ترمذی، للالبانی (ح ۵۵۱) اس کی سند میں حاتم بن میمون نامی ایک راوی ضعیف ہے]

(۲) [ترمذی، ایضاً۔ یہ روایت بھی ضعیف ہے۔]

(۳) [یہ روایت بھی ضعیف ہے دیکھیے: سلسلة الاحاديث الضعيفة والموضوعة (ح ۳۰۱)]

فصل ۴:

تلاوت قرآن کے مسنون آداب

قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبرؐ پر نازل کیا اور رہتی دنیا تک تمام لوگوں کے لیے باعثِ ہدایت اور معیارِ نجات قرار دے دیا۔ اس لیے جب بھی اس کتاب کی طرف قدم اٹھایا اور ہاتھ بڑھایا جائے تو یہی سوچ کر کہ یہ اللہ رب العزت کی آخری اور سچی کتابِ ہدایت ہے۔ اس کی حیثیت عام انسانی تصنیفات جیسی نہیں ہے۔ اس لیے اسے پکڑتے، اٹھاتے اور پڑھتے ہوئے کوئی ایسا عمل نہ کیا جائے جو اس کے اَدب واحترام کے منافی ہو۔

اس کتابِ عظیم کی تلاوت کے حوالے سے درج ذیل آداب کا خیال رکھنا چاہیے:

۱)...... باوضو ہو کر تلاوت کی جائے،

۲)...... تعوذ وتسمیہ پڑھ کر تلاوت کا آغاز کیا جائے،

۳)...... صحتِ تلاوت اور حسنِ تلاوت [تجوید وقراءت] کا خیال رکھا جائے،

۴)...... خشوع وخضوع [گریہ زاری] کا اہتمام کیا جائے،

۵)...... سجدۂ تلاوت کے موقع پر سجدہ کیا جائے،

۶)...... تلاوتِ قرآن کو روزانہ کا معمول بنالیا جائے،

۷)...... تلاوتِ قرآن کے حوالے سے غیر مسنون آداب سے گریز کیا جائے،

آئندہ صفحات میں ہم قرآن مجید کے مذکورہ بالا آداب کے حوالے سے بالترتیب ضروری تفصیلات پیش کریں گے، ان شاء اللہ۔

---

[1].....تلاوتِ قرآن اور مسئلہ طہارت

عام طور پر انسان یا طہارت کی حالت میں ہوتا ہے یا عدمِ طہارت کی۔ طہارت کی حالت میں وہ قرآن کی تلاوت کرے یا نماز پڑھے، اس میں تو کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ عدمِ طہارت کی حالت میں ایسا کرنے میں فقہاء کا شروع سے اختلاف رہا ہے۔ آئندہ سطور میں اسی اختلاف اور اقرب الی الصواب موقف کی وضاحت کی ایک کوشش کی گئی ہے۔

عدمِ طہارت کی تین صورتیں:

یاد رہے کہ عدمِ طہارت کی بالعموم یہی تین صورتیں بنتی ہیں:

(۱)......عدمِ وضو کی حالت (۲)......جنابت کی حالت (۳)......حیض و نفاس کی حالت۔

ان تینوں حالتوں میں دو طرح کا سوال پیدا ہوتا ہے ایک یہ کہ قرآن چھوئے بغیر زبانی طور پر قرآن کی تلاوت کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ ان حالتوں میں قرآن مجید کو چھونا جائز ہے یا نہیں؟

اب ہم ان سوالوں کا جواب دینے کے لیے بالترتیب مندرجہ بالا تینوں صورتوں کا ذکر کرتے ہیں:

(۱)......عدمِ وضو کی حالت:

یعنی وہ حالت جب جنابت یا ماہواری کی حالت قائم ہوئے بغیر وضو ٹوٹا ہو، یعنی نیند سے یا ہوا خارج ہونے یا پیشاب پاخانہ وغیرہ کرنے سے۔ اس عدمِ وضو کی صورت میں قرآن مجید کو ہاتھ لگائے بغیر زبانی تلاوت کرنے کی ممانعت کی کوئی واضح دلیل قرآن وحدیث میں موجود نہیں ہے بلکہ اس حالت میں تلاوتِ قرآن مجید کے جواز کی دلیلیں موجود ہیں مثلاً ایک دلیل تو یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ کے ہاں رات گزاری، وہ فرماتے ہیں کہ

((اِسْتَیْقَظَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَجَلَسَ یَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهٖ بِیَدِهٖ ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الْآیَاتِ الْخَوَاتِیْمَ مِنْ سُوْرَةِ آلِ عِمْرَانَ ثُمَّ قَامَ إِلٰی شَنٍّ مُعَلَّقَةٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا فَقُمْتُ فَصَنَعْتُ مِثْلَ مَاصَنَعَ ثُمَّ ذَهَبْتُ فَقُمْتُ إِلٰی جَنْبِهٖ))

''(تقریباً آدھی) رات کا وقت تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نیند سے بیدار ہو کر بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ چہرے پر مل کر نیند دور کرنے لگے۔ پھر آپ ﷺ نے سورۂ آل عمران کی آخری دس آیتوں کی تلاوت فرمائی۔ پھر آپ ﷺ (گھر میں) لٹکے ہوئے مشکیزے کی طرف بڑھے اور اس سے پانی لے کر وضو کیا اور بہت اچھی طرح آپ ﷺ نے وضو کیا پھر آپ نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔''[1]

اس حدیث سے واضح طور پر معلوم ہو رہا ہے کہ بے وضو حالت میں بھی قرآن کی تلاوت جائز ہے۔ اگر یہ ناجائز ہوتی تو آنحضرت ﷺ وضو سے پہلے سورۂ آلِ عمران کی آیت تلاوت نہ فرماتے۔ پھر آپ ﷺ کا یہ عمل آپؐ ہی کے ساتھ خاص بھی نہیں تھا، ورنہ جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح وضو سے پہلے سورۂ آل عمران کی یہی آیات تلاوت فرمائی تھیں، تو آپ ﷺ انہیں بعد میں اس سے ضرور منع کر دیتے مگر آپؐ نے انہیں منع نہیں کیا۔ امام بخاریؒ نے بھی اس حدیث سے یہی مسئلہ اخذ کیا ہے کہ عدمِ وضو کی حالت میں تلاوتِ قرآن جائز ہے، اسی لیے انہوں نے اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے:

((باب قرأة القرآن بعدالحدث وغيره))

یعنی: ''بے وضو وغیرہ ہو جانے کی حالت میں تلاوتِ قرآن کا بیان''

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَذْكُرُاللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهِ))

''اللہ کے رسول ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔''[2]

ظاہر ہے ہر وقت باوضو رہنا مشکل ہوتا ہے۔ انسان کسی وقت بھی بے وضو ہو سکتا ہے اور جب ہر وقت اللہ کا ذکر کیا جائے گا تو لازمی بات ہے کہ اس بے وضو حالت میں بھی اللہ کا ذکر ہوگا۔ اگر اس حالت میں اللہ کا ذکر جائز نہ ہوتا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ فرماتیں کہ ''بے وضو حالت کے علاوہ ہر حال میں حضور اللہ کا ذکر فرماتے تھے۔'' مگر انہوں نے یہ الفاظ نہیں کہے۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ بے وضو حالت میں جہاں اللہ کا ذکر کرنا درست ہے، وہاں تلاوتِ قرآن بھی جائز ہے۔

(۱) [صحیح بخاری: کتاب الوضوء: باب قرأة القرآن بعدالحدث وغيره (ح ۱۸۳) صحیح مسلم (ح ۱۲۷٤)]

(۲) [صحیح مسلم: کتاب الحیض: باب ذکر الله تعالىٰ فی حال الجنابة وغيرها (ح ۳۷۳)]

(۲)......حالتِ جنابت اور حالتِ حیض و نفاس میں تلاوتِ قرآن:

جنابت اور حیض و نفاس بھی بے وضوء گی (حدثِ اکبر) کی حالتیں ہیں، تاہم ان میں فرق یہ ہے کہ ان سے طہارت کے لیے صرف وضو نہیں بلکہ مسنون غسل کرنا ضروری ہے۔ جہاں تک ان حالتوں میں قرآنِ مجید کی تلاوت کا مسئلہ ہے تو اس سلسلہ میں واضح رہے کہ ان حالتوں کو بھی چونکہ بے وضو والی حالت خیال کیا جائے گا، اس لیے جب بے وضو (حدثِ اصغر والی) حالت میں قرآنِ مجید کی تلاوت اور ذکرِ باری تعالیٰ جائز ہے، تو ان دونوں حالتوں میں بھی اسے جائز کہا جائے گا۔ بشرطیکہ ان دو حالتوں میں تلاوتِ قرآن کی الگ سے ممانعت کی کوئی دلیل موجود نہ ہو۔

جب ہم اس مسئلہ کا جائزہ لیتے ہوئے اَحادیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس سلسلہ میں ممانعت پر مبنی چند اَحادیث ضرور ملتی ہیں، مگر ان سب کی سندیں ضعیف ہیں مثلاً ایک حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((لَا تَقْرَأُ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ))

''حائضہ اور جنبی قرآن مجید کی بالکل تلاوت نہ کریں۔''

یہ روایت ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہے مگر اس کی سند محدثین کے اصولوں کے مطابق ضعیف ہے۔ اسی طرح کی ایک روایت سنن دارقطنی وغیرہ میں موجود ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

((لَا يَقْرَأُ الْحَائِضُ وَلَا النُّفَسَاءُ مِنَ الْقُرْآنِ شَيْئًا))

''حیض اور نفاس والی عورت قرآن مجید کی بالکل تلاوت نہ کرے۔''

اس روایت کی بھی جتنی سندیں ہیں، وہ سب ضعیف ہیں جیسا کہ امام شوکانی نے **نیل الاوطار** (ج۱ ص۲٤٦) میں ذکر کیا ہے۔ اسی طرح کی ایک اور روایت میں ہے:

((عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يُقْرِئُنَا الْقُرْآنَ عَلٰى كُلِّ حَالٍ مَا لَمْ يَكُنْ جُنُبًا))

''حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جنابت کے علاوہ ہر حالت میں قرآنِ مجید پڑھا دیا کرتے تھے۔''[1]

امام ترمذی نے ازراہِ تساہل اس حدیث پر صحت کا حکم لگا دیا ہے، لیکن امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور شیخ البانیؒ وغیرہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس سلسلہ میں جو روایات مروی ہیں، وہ سب

(۱) [جامع ترمذی: کتاب الطهارة: باب ماجاء فی الرجل يقرأ القرآن علی كل حال مالم يكن جنبا (ح١٤٦)]

سنداً کمزور ہیں۔[(۱)]

لہٰذا جب یہ روایتیں صحیح نہیں ہیں تو پھر ہم حیض ونفاس اور جنابت کی حالت میں تلاوتِ قرآن کی ممانعت وحرمت کا فتویٰ نہیں دے سکتے بلکہ سابقہ عنوان کے تحت قائم کیے گئے دلائل کی بنیاد پر اس کے بھی جواز ہی کا فتویٰ دیا جائے گا۔خود امام ترمذیؒ نے بھی مذکورہ بالا حدیث کو صحیح قرار دینے کے باوجود اس سے یہ مراد لیا ہے کہ حالتِ جنابت میں آنحضرت مصحف پکڑ کر ہمیں نہیں پڑھاتے تھے۔علاوہ ازیں اس حدیث کے تحت چند کبار علماء کا بھی انہوں نے یہی فتویٰ درج کیا ہے، چنانچہ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ

''بے شمار صحابہ وتابعین کا بھی یہی موقف ہے، ان اہلِ علم کے بقول: ''انسان بے وضو حالت میں تلاوت تو کر سکتا ہے مگر طہارت کے بغیر قرآن مجید پکڑ کر تلاوت نہیں کرنی چاہیے''۔امام ثوریؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور امام اسحاقؒ کی بھی یہی رائے ہے۔'' [ترمذی، ایضاً]

اسی طرح امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ

''ابرہیم نخعیؒ حائضہ عورت کے لیے قرآن کی آیت کی تلاوت کر لینے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جنبی کے لیے (مصحف چھوئے بغیر) تلاوتِ قرآن میں کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے۔اسی طرح ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمیں (اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے) حکم دیا جاتا کہ ہم حائضہ عورتوں کو بھی (عیدگاہ کی طرف) لے کر نکلیں چنانچہ وہ حائضہ عورتیں مسلمانوں کی تکبیروں کی طرح تکبیریں کہتیں اور دعائیں مانگتی تھیں۔''[(۲)]

(۳)......بے وضو حالتوں میں قرآن کو چھونا:

یہ تو واضح ہو گیا کہ مذکورہ بالا تینوں حالتوں (یعنی جنابت، حیض ونفاس، اور بے وضوگی) میں زبانی طور پر قرآن مجید کی تلاوت جائز ہے، اب ہم اس پہلو پر غور کرتے ہیں کہ آیا ان تینوں حالتوں میں قرآنِ مجید کو چھونا بھی جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں بعض دلائل اس نوعیت کے ہیں کہ جن میں ہمیں یہ ملتا ہے کہ طاہر کے سوا کوئی اور قرآن کو نہ چھوئے مثلاً قرآن مجید میں ہے: ﴿لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾

اس آیت میں لَا يَمَسُّ کے صیغہ کی وجہ سے اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ یہ صیغہ نفی اور نہی دونوں معنی

(۱) [دیکھیے: تمام المنه از شیخ البانیؒ (ص۱۰۸، ۱۱۶، ۱۱۷)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب الحیض، باب تقضی الحائض المناسك كلها الا الطواف بالبيت، معلقا]

کے لیے استعمال ہوتا ہے۔اب یہاں نفی کے لیے ہے یا نہی کے لیے؟اس میں دونوں طرح کی آراء موجود ہیں۔بعض اہل علم کے نزدیک: ''یہ نفی کا صیغہ ہے اور اس آیت میں فرشتوں کی طرف اشارہ ہے جبکہ اس کے آخر میں (حرف) ہٗ کی ضمیر قرآن مجید کی بجائے لوحِ محفوظ کی طرف لوٹتی ہے اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ لوح محفوظ کو فرشتوں کے سوا کوئی نہیں چھوتا۔''

جب کہ اسے نہی کا صیغہ قرار دینے والے اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہم انسانوں سے یہ کہا گیا ہے کہ ''اس قرآن کو طاہر لوگوں کے سوا کوئی اور نہ چھوئے۔''

اسی طرح ایک روایت میں ہے:

((لَا یَمَسُّ الْقُرْآنَ اِلَّا طَاهِرٌ))

''اس قرآن کو طاہر لوگوں کے سوا کوئی اور نہ چھوئے۔''(۱)

اس روایت کی سند صحیح ہے اور اس میں مذکورہ بالا آیت کے مقابلہ میں واضح طور پر یہ کہا گیا ہے کہ ''طاہر کے سوا اور کوئی قرآن نہ چھوئے۔'' لیکن اس حدیث میں لفظ طاہر سے مراد کون ہے؟ اس میں بھی اہلِ علم کا اختلاف ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک اس طاہر سے مراد ہر وہ مسلمان ہے جو ناپاک اور بے وضو نہ ہو۔ گویا ان کی رائے یہ ہے کہ بے وضو، جنبی اور حیض ونفاس والی عورت چونکہ طاہر نہیں ہیں، اس لیے ان کے لیے قرآن کو چھونا اور پکڑنا جائز نہیں۔

ان کے مقابلہ میں چند ایک علماء کی رائے یہ ہے کہ طاہر سے مراد اس حدیث میں مسلمان ہے اور مراد یہ ہے کہ مسلمان کے علاوہ کوئی اور (یعنی غیر مسلم) اس قرآن کو نہ چھوئے۔لہٰذا مسلمان قرآن کو بے وضو حالتوں میں بھی چھو سکتا ہے کیونکہ بے وضو ہونے کے باوجود وہ نجس نہیں ہوتا، بلکہ طاہر ہی رہتا ہے۔اس کی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حالتِ جنابت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور انہوں نے بغیر غسل کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھنا مکروہ سمجھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

((سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا یَنْجَسُ))

''سبحان اللہ! مومن نجس نہیں ہوتا۔''(۲)

---

(۱) [موطا: کتاب النداء للصلاۃ: باب الامر بالوضوء لمن مس المصحف (ح۴۱۹) ارواء الغلیل از البانیؒ (۱۲۲) سنن بیہقی (ج۱ ص۷۸)]

(۲) [صحیح بخاری: کتاب الغسل: باب عرق الجنب وان المسلم لا ینجس (ح۲۸۳) صحیح مسلم (۳۷۱)]

اس حدیث کی بنیاد پر معروف عرب عالم دین شیخ ناصرالدین البانیؒ بھی اس رائے کے قائل تھے کہ مومن شخص ہر حال میں قرآن مجید کو چھو سکتا ہے۔ (۱)

راجح اور محتاط پہلو:

اس مسئلہ میں ہمیں جمہور اہل علم کی رائے ہی محتاط معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ ان تینوں حالتوں [یعنی (۱) عدمِ وضو کی حالت (۲) جنابت کی حالت (۳) حیض ونفاس کی حالت] میں قرآنِ مجید کو چھونے اور پکڑنے سے احتیاط کرنی چاہیے، البتہ ان حالتوں میں زبانی تلاوت میں کوئی حرج نہیں ہے۔

یاد رہے کہ اگر کسی ضرورت کی وجہ سے قرآنِ مجید کو چھونا پڑ جائے تو صاف کپڑے وغیرہ کی آڑ لے کر اسے چھوا جا سکتا ہے۔ کئی اہلِ علم نے اس طرح قرآن چھونے کی اجازت بھی دی ہے۔ (۲)

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں روایت کیا ہے کہ

((وَكَانَ اَبُوْ وَائِلٍ يُرْسِلُ خَادِمَهُ وَهِيَ حَائِضٌ اِلٰى اَبِيْ رَزِيْنٍ فَتَأْتِيْهِ بِالْمُصْحَفِ فَتُمْسِكُهُ بِعَلَاقَتِهٖ))

''حضرت ابووائلؒ اپنی خادمہ (لونڈی) کو حیض کی حالت میں (بھی) محدث ابورزینؒ کے پاس بھیج دیتے، تا کہ وہ ان کے ہاں سے قرآن مجید (مصحف) لے آئے، چنانچہ وہ جزدان میں لپٹا ہوا قرآنِ مجید اپنے ہاتھ میں پکڑ کر لاتی تھی۔''

اگر شریعت میں اس کی گنجائش نہ ہوتی تو یہ اصحاب علم ہرگز ایسا نہ کرتے......!

......☆......

(۱) [تمام المنہ از البانیؒ (ص ۱۱٦)]

(۲) [شرح المهذب از نوویؒ (ج ۲ ص ۳۷۲)]

(۳) [صحيح بخارى، كتاب الحيض، باب قراءة الرجل فى حجر امرأته وهى حائض]

[2]....تلاوتِ قرآن اور تعوذ وتسمیہ

۱)......تعوذ یعنی اعوذ باللہ پڑھنا:

قرآنِ مجید کی تلاوت سے پہلے شیطان مردود کے حملوں سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے یعنی تعوذ پڑھنا چاہیے۔اس بات کا حکم خود قرآن مجید میں اس طرح دیا گیا ہے:

﴿ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴾[سورة النحل:۹۸]

''اور جب قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے (بچاؤ کے لیے) اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کرو۔''

تعوذ کے کئی کلمات اَحادیث میں بیان ہوئے ہیں، زیادہ معروف اور مذکورہ بالا آیت سے قریب تر کلمات یہ ہیں:

((اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ))

''میں شیطان مردود (کے شر) سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں۔''(۱)

بہت سی صحیح اَحادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ خود نبی کریم ﷺ بھی نماز میں دعائے افتتاح کے بعد جب سورۃ الفاتحہ شروع کرتے تو پہلے تعوذ پڑھتے۔

بعض اہل علم نے تلاوت قرآن سے پہلے تعوذ پڑھنے کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ قرآن مجید کتابِ ہدایت ہے اور شیطان نہیں چاہتا کہ انسان کو ہدایت ملے، چنانچہ جب انسان اس کتابِ ہدایت کو پکڑتا ہے تو شیطان بھی اپنے داؤ پیچ لڑانا شروع کر دیتا ہے تاکہ انسان تلاوتِ قرآن سے جلد ہی اُکتا جائے، اسے سمجھنے کی کوشش ہی نہ کرے اور اس سے ہدایت حاصل کرنے سے محروم رہے۔اور اگر انسان ہدایت پالے تو اس پرعمل کرنے میں شیطان رکاوٹیں پیدا کرتا ہے۔شیطان کی ان سازشوں اور کوششوں کو ناکام بنانے کے لیے ہمیں تعوذ کا حکم دیا گیا۔

جس طرح تلاوتِ قرآن کے آغاز میں تعوذ کا حکم ہے، اسی طرح دورانِ تلاوت اگر کسی وجہ سے انقطاع

(۱) مصنف عبدالرزاق ،کتاب الصلوۃ، باب متی یستعیذ(ح۲۵۸۹)]

ہو جائے تو دوبارہ تلاوت شروع کرنے سے پہلے پھر تعوذ پڑھ لینا چاہیے۔

۲)......تسمیہ یعنی بسم اللہ پڑھنا:

تلاوتِ قرآن سے پہلے تعوذ کے ساتھ تسمیہ (بسم اللہ) بھی پڑھنی چاہیے، تسمیہ کے کلمات یہ ہیں:

((بِسمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ))

''شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

اس لیے کہ بسم اللہ سے شروع کیے جانے والے ہر اہم کام میں اللہ کی طرف سے برکت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اس ذات کے نام سے شروع کیا جاتا ہے جو تمام کائنات کی خالق و مالک ہے اور اسی کے ہاتھ میں ساری خیر و بھلائیاں ہیں اور جس کام کے شروع میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام نہ لیا جائے، وہ برکت سے خالی ہو جاتا ہے اور شیطان کو بھی اس میں مداخلت کا سنہری موقع مل جاتا ہے۔

تلاوت قرآن خود ایک عظیم الشان کام ہے، لہٰذا اس کا آغاز تعوذ کے بعد بسم اللہ سے ہونا چاہیے۔ اگر تلاوت کا آغاز قرآن مجید کی کسی سورت سے ہو تو پھر بسم اللہ کا پڑھنا اور زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے کیونکہ قرآن مجید کی ایک سو چودہ سورتوں میں سے ایک سورۂ بقرہ کے علاوہ باقی ایک سو تیرہ سورتوں کا آغاز بسم اللہ کے ساتھ ہے۔ اور اہل علم کی محتاط رائے کے مطابق ان سورتوں میں موجود بسم اللہ بجائے خود ایک آیت کی حیثیت رکھتی ہے۔

[3].....صحتِ تلاوت اور حسنِ تلاوت

[یعنی تجوید و قراءت کا اہتمام]

۱).....صحتِ تلاوت:

تلاوتِ قرآن مجید کے آداب میں سے ایک اہم ترین اَدب یہ بھی ہے کہ صحتِ تلاوت یعنی تجوید و قراءت کے اصولوں کا خیال رکھا جائے۔ جہاں حرف کو لمبا (مد) کرنے کی ضرورت ہے، وہاں اسے لمبا کیا جائے، جہاں تــفــخیــم کی ضرورت ہو وہاں تفخیم کا لحاظ کیا جائے، جہاں تشدید کا موقع ہو وہاں تشدید کا اہتمام کیا جائے، جہاں غنہ یا ادغام یا اخفاء یا اظہار یا قلقلہ وغیرہ کی ضرورت ہو وہاں ان چیزوں کا خیال کیا جائے اور جہاں ان چیزوں کی ضرورت نہ ہو وہاں بلاوجہ ان قواعد کا اِجراء و اِطلاق نہ کیا جائے۔

اسی طرح حروف کی اَدائیگی کے سلسلہ میں صحتِ مخارج کا خیال کیا جائے اور ہر حرف کو اس کے اصل مخرج کے مطابق ادا کیا جائے یعنی جہاں 'ص' پڑھنا ہے وہاں 'س' کا تلفظ اختیار نہ کیا جائے۔ جہاں 'ز' پڑھنا ہے وہاں 'ذ' کا تلفظ پیدا نہ کیا جائے۔ جہاں 'ح' کا تلفظ ہو وہاں 'ہ' نہ پڑھی جائے۔

صحتِ تلاوت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اِعراب وحرکات کا بھی پورا خیال کیا جائے۔ جہاں زبر ہے وہاں زیر نہ پڑھی جائے، جہاں زیر ہے وہاں پیش نہ پڑھی جائے۔ بلکہ ہر حرف اور ہر لفظ کے جو اصل اِعراب وحرکات ہیں، انہی کے مطابق اسے پڑھا جائے۔

صحتِ تلاوت میں یہ بھی شامل ہے کہ قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا جائے اور اس قدر تیزی سے نہ پڑھا جائے کہ الفاظ ہی پورے ادا نہ ہو پائیں۔

۲).....صحتِ تلاوت کی ضرورت واہمیت:

قرآن مجید کی تلاوت کے موقع پر صحتِ تلاوت کا لحاظ رکھنا بڑا ضروری ہے، ورنہ خدشہ ہے کہ انسان کو تلاوتِ قرآن سے اَجر و ثواب کی بجائے الٹا گناہ ملے بلکہ غیر شعوری طور پر انسان کفر کا مرتکب بھی ٹھہر سکتا ہے۔ اس چیز کو سمجھنے کے لیے ذرا ایک مثال پر غور کیجیے:

سورۃ الفاتحہ کے آغاز میں ہے:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴾

یعنی ''تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں''۔ اب اگر کوئی شخص الحمد کو الھمد پڑھ بیٹھے یعنی 'ح' کی جگہ 'ھ' پڑھ لے تو نعوذ باللہ اس آیت کا معنی یہ بن جاتا ہے:

''ہر قسم کی موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔'' (نعوذ باللہ من ذلک!)

یعنی ایک لفظ کے تلفظ کے بدلنے سے معنی میں کتنی بڑی تبدیلی واقع ہوگئی ہے اور یاد رہے کہ جو شخص 'ح' کا تلفظ صحیح طور پر ادا نہیں کرتا، وہ اسے الحمد کی بجائے الھمد ہی پڑھے گا......!

اب خود ہی فیصلہ کیجیے، کیا تلاوتِ قرآن کے لیے صحتِ مخارج کا اہتمام ضروری نہیں؟!

اسی طرح سورۃ الفاتحہ کی ایک اور آیت ہے:

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴾

''ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ہے۔''

اَنْعَمْتَ سے اللہ تعالیٰ کی طرف خطاب ہے کہ ''جن پر تو نے انعام کیا۔'' اگر اس لفظ کو اَنْعَمْتُ پڑھا جائے یعنی ت پر زبر کی بجائے پیش پڑھی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ''جن پر میں نے انعام کیا ہے۔'' اب ایک حرکت کی تبدیلی سے معنی میں اتنی بڑی تبدیلی واقع ہوگئی ہے کہ اگر انسان جان بوجھ کر یہ غلطی کرے تو کافر قرار پائے......!

اسی طرح اگر اَنْعَمْتَ کی 'تَ' کو لمبا کر کے پڑھا جائے تو یہ اَنْعَمْتَا بن جائے گا اور اس کا معنی یہ بنے گا: ''جن پر تم دونوں نے انعام کیا۔'' اب یہاں ضمیر تو اللہ کی طرف لوٹتی ہے جو وحدہ لاشریک ہے مگر 'تَ' کو کھینچ کر پڑھنے سے یہاں تثنیہ کا معنی پیدا ہو جاتا ہے جو اسلامی عقیدۂ توحید کے سراسر منافی ہے کیونکہ اللہ ایک ہے، دو نہیں......

یہ دو تین مثالیں ہیں، اسی پر پورے قرآن مجید کو قیاس کر لیجیے اور سوچیے کیا ان مثالوں سے ہمیں یہ سبق نہیں ملتا کہ ہم قرآن مجید کو صحتِ مخارج کے ساتھ پڑھنا سیکھیں تاکہ ہم سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ بے شمار کلمہ گو مسلمان یا تو قرآن مجید پڑھنا ہی نہیں جانتے اور اگر پڑھنا جانتے ہیں تو اس کی تلاوت کے اصول نہیں سمجھتے۔ اور الفاظ و کلمات کی ادائیگی صحیح طور پر نہیں کر سکتے۔ اسی طرح عورتوں میں اس

چیز کی شرح مردوں کے مقابلے میں کافی زیادہ ہے، خواہ وہ دیہی علاقوں سے تعلق رکھتی ہوں یا شہری علاقوں سے۔

۳)......حسنِ تلاوت/قراءت:

صحتِ تلاوت کا معنی و مفہوم تو پیچھے واضح ہو چکا، اب حسنِ تلاوت کا معنی و مفہوم اور اس کی ضرورت واہمیت بھی سمجھ لیجیے۔

تلاوتِ قرآن کے سلسلہ میں اصل چیز صحتِ تلاوت ہے جب کہ حسنِ تلاوت ایک اضافی چیز ہے اور حسنِ تلاوت یہ ہے کہ صحتِ تلاوت کا خیال رکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ خوبصورت اور دلکش انداز سے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، تاکہ آواز میں سوز اور دل میں خوف پیدا ہو، آنکھوں سے آنسو جاری ہوں اور بدن پر رقت طاری ہو۔ اور تلاوت کرنے والا خود بھی قرآن سے اثر قبول کر رہا ہو اور دوسروں پر بھی اثر انداز ہو رہا ہو۔ ایسی صورت میں حسنِ قراءت کو بہت پسند کیا گیا ہے لیکن اگر خوفِ خدا سے غافل ہو کر تلاوت کی جائے تو پھر حسنِ صوت کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ قرآن مجید کو گویوں کی طرح گا کر پڑھنا اسی لیے ناپسندیدہ ہے کہ اس طرح تلاوتِ قرآن سے خوف و خشیت کے جذبات پیدا نہیں ہوتے۔

۴)......حسنِ قراءت کی اہمیت:

حسنِ تلاوت/قراءت کی اہمیت کے سلسلہ میں اب چند احادیث ملاحظہ فرمالیں:

(۱) : ((عن براء بن عازب قال قال رسول الله ﷺ: زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ))

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرآن مجید کو اپنی (اچھی) آوازوں سے مزین کرو۔''(۱)

یعنی خوبصورت اور خوش کن آواز کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرو۔ یہ ایک عام حکم ہے اور ظاہر ہے ہر شخص کی خوش آوازی اور خوش الحانی دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ صحت تلاوت کے ساتھ جتنا خوش الحانی کا اہتمام ممکن ہو، اتنا ہی بہتر ہے مگر ایسی خوش الحانی کا کوئی فائدہ نہیں جو صحتِ تلاوت سے خالی ہو۔ یعنی تجوید [حسنِ قراءت] کے اصول و قواعد کے یکسر منافی ہو۔

---

(۱) [مسند احمد (ج ٤ ص ٢٨٥) ابو داؤد، کتاب القراءة، باب استحباب الترتيل فى القراءة (ح ١٤٦٨) ابن ماجه (ح ١٣٤٢) دارمی (ح ٣٥٠٠)]

(۲) : ((عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ :لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ))

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص ہم میں سے نہیں جو قرآن مجید کو خوش الحانی (آوازی) سے نہ پڑھے۔''(۱)

مطلب یہ کہ جو شخص قرآن مجید کو خوش الحانی سے پڑھنے کی استطاعت رکھتا ہو مگر اس کے باوجود خوش آوازی اختیار نہ کرے تو یہ انتہائی ناپسندیدہ اور بری بات ہے، اس لیے کہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے آدمی کو قرآن مجید سے محبت نہیں، ورنہ یہ ضرور خوش الحانی کا مظاہرہ کرتا۔

(۳) :ابن ابی ملیکہ نے عبیداللہ بن ابی یزید کے حوالے سے روایت کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ ''ایک روز ابولبابہ رضی اللہ عنہ ہمارے پاس سے گزرے، ہم بھی ان کے ساتھ چل دیے یہاں تک کہ وہ اپنے گھر میں داخل ہو گئے، ہم بھی ان کے ساتھ ان کے گھر میں داخل ہو گئے۔ دیکھا کہ وہاں ایک شکستہ حال آدمی بیٹھا ہے، وہ کہنے لگا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے کہ ''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو قرآن مجید کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا۔''(۲)

اس حدیث کے ایک راوی عبدالجبار بن ورد کہتے ہیں کہ میں نے ابن ابی ملیکہؒ سے کہا: اے ابو محمد! اگر کوئی شخص خوش آواز نہ ہو تو وہ کیا کرے؟ ابن ابی ملیکہ نے جواب دیا کہ ''اسے چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے، خوش الحانی پیدا کرنے کی کوشش کرے۔''

۵)......نبی کریمؐ اور حسنِ قراءت:

(۱) : ((عن البراء بن عازب قال سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْرَأُ ﴿وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ﴾ فِي الْعِشَاءِ وَمَاسَمِعْتُ اَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا مِّنْهُ اَوْ قِرَاءَةً))

''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو نماز عشاء میں سورۃ التین کی تلاوت فرماتے سنا ہے اور میں کہہ سکتا ہوں کہ آپ ﷺ تمام لوگوں سے بڑھ کر خوش آوازی سے تلاوت کرنے والے تھے۔''(۳) یعنی آپؐ سب سے زیادہ خوش آواز اور خوش الحان تھے۔

(۱) [صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ :واسروا قولکم او اجهروا به(ح ۷۵۲۷)]

(۲) [ابو داؤد، کتاب الوتر، باب استحباب الترتیل فی القراءة(ح۱٤٦٨)]

(۳) [صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب القراءة فی العشآء(ح۷٦۹)]

(۲) : ((عن ابی هریرة قال قال رسول اللهﷺ: ما اَذِنَ اللّٰهُ لِشَیْءٍ مَّا اَذِنَ لِنَبِیٍّ یَتَغَنّٰی بِالْقُرْآنِ))
''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سنتا جتنی توجہ سے وہ اپنے نبی کی آواز کو (اس وقت) سنتا ہے جب کہ وہ خوش اِلحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھ رہا ہو۔''(۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ خوش اِلحانی کے ساتھ تلاوتِ قرآن کو پسند فرماتے ہیں بلکہ جب اللہ کے نبی خوش اِلحانی سے تلاوت کرتے تو اللہ تعالیٰ بھی توجہ سے ان کی تلاوت سنتے۔

(۳) : حضرت جبیر بن مطعمؓ حالتِ شرک میں تھے اور جنگِ بدر میں قیدی بنا لیے گئے، وہ اس دور کی ایک بات بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو نمازِ مغرب میں سورۃ الطور کی تلاوت کرتے سنا۔ جب آپؐ اس آیت پر پہنچے: ﴿اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ﴾ [وہ کسی اور چیز سے پیدا کیے گئے ہیں یا وہ خود ہی پیدا کرنے والے ہیں؟] تو مجھے یوں لگا کہ میرا دل قابو سے باہر ہو گیا ہے۔ (صحیح بخاری کی روایت نمبر ۴۰۲۳ میں یہ بھی ہے کہ حضرت جبیرؓ فرماتے ہیں) اور یہی وہ پہلا موقع تھا کہ جب اسلام نے میرے دل میں جگہ پکڑی تھی۔(۲)

(٤) : ((عن ام سلمة قالت كان رسول الله ﷺ یُقَطِّعُ قِرَآءَتَهٗ یَقُوْلُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ثُمَّ یَقِفُ (ثُمَّ یَقُوْلُ) اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ثُمَّ یَقِفُ))
''حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنی تلاوت میں ایک ایک فقرے کو الگ الگ کر کے پڑھتے تھے، چنانچہ آپ ﷺ الحمد للہ رب العالمین پڑھتے پھر وقف کرتے۔ پھر الرحمٰن الرحیم پڑھتے اور پھر وقف فرماتے۔''(۳)

(٥) : ((عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سُئِلَ اَنَسٌ كَیْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِیِّ ﷺ؟ فَقَالَ: كَانَتْ مَدًّا مَدًّا ثُمَّ قَرَاَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یَمُدُّ بِسْمِ اللّٰهِ وَیَمُدُّ بِالرَّحْمٰنِ وَیَمُدُّ بِالرَّحِیْمِ))

(۱) [صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب من لم یتغن بالقرآن (ح ٥٠٢٤) صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب استحباب تحسین الصوت بالقرآن (ح ٧٩٢)]
(۲) [صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورة الطور (ح ٤٨٥٤) صحیح مسلم (ح ١٠٣٣)]
(۳) [جامع ترمذی، کتاب القراءات، باب فی فاتحة الكتاب (ح ٢٩٢٧) ابو داؤد (ح ٤٠٠١) احمد (٦/ ٣٠٢) ابن خزیمه (ح ٤٩٣)]

''حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ نبی ﷺ کی قراءت کا طریقہ کیا تھا؟ انہوں نے جواب میں فرمایا کہ آپ ﷺ الفاظ کو کھینچ کھینچ کر (یعنی حسنِ قراءت کا لحاظ رکھ کر) پڑھتے تھے، پھر انہوں نے خود بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر سنائی اور ایک ایک لفظ کو کھینچ کر اَدا کیا یعنی بسم اللہ کو کھینچ کر پڑھا پھر الرحمٰن کو کھینچ کر پڑھا پھر الرحیم کو۔''(۱)

ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ بھی تلاوت قرآن کے وقت خوش اِلحانی اور حسنِ قراءت کا اہتمام کرتے تھے۔ یہی بات درج ذیل روایت میں اس طرح بھی بیان کی گئی ہے:

(۶): حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے (فتح مکہ کے موقع پر) نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ اپنی اونٹنی پر سوار تھے اور اسی حالت میں سورۂ فتح (کی بعض آیات) کی تلاوت فرما رہے تھے۔ آپؐ بڑے آرام کے ساتھ تلاوت فرما رہے تھے اور اپنی آواز کو بار بار دہراتے تھے۔ (یعنی خوبصورتی پیدا کرنے کے لیے آواز میں اُتار چڑھاؤ کرتے تھے۔)(۲)

۲)......صحابہ کرامؓ اور حسنِ قراءت:

(۱) : ((عن عبداللہ بن مسعود قال قال لی رسول اللہ ﷺ :اِقْرَأْ عَلَيَّ، قُلْتُ أَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ؟ قَالَ : إِنِّيْ أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِيْ فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ سُوْرَةَ النِّسَاءِ حَتّٰى بَلَغْتُ (إِلٰى هٰذِهِ الْآيَةِ)﴿ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا ﴾ قَالَ أَمْسِكْ (حَسْبُكَ الْآنَ) فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ))(۳)

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے، تو مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''مجھے (قرآن) پڑھ کر سناؤ''۔ میں نے عرض کیا: ''کیا میں آپ ﷺ کو (قرآن) پڑھ کر سناؤں جبکہ آپ ﷺ ہی پر تو یہ قرآن نازل ہوا ہے؟'' لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''میں چاہتا ہوں کہ قرآن کسی دوسرے شخص سے سنوں''۔ چنانچہ میں نے سورۂ نساء کی

---

(۱) [صحیح بخاری ، کتاب فضائل القرآن :باب مد القراۃ(ح ۵۰۴۶)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب المغازی،باب این رکز النبی الرایۃ یوم الفتح(ح۴۲۸۱) کتاب فضائل القرآن،باب الترجیع(ح۵۰۴۷)صحیح مسلم(ح۷۹۴)]

(۳) [صحیح بخاری ،کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ النسآء(ح ۴۵۸۲۔ ۵۰۴۹تا ۵۰۵۶) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین ،باب فضل استماع القرآن (ح ۸۰۰)]

تلاوت شروع کر دی حتی کہ میں اس آیت پر پہنچا:

﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴾

''اس وقت ان لوگوں کی کیا کیفیت ہوگی جبکہ ہم ہر امت پر ایک گواہ لائیں گے اور اے نبیؐ! ہم آپ کو اس امت پر گواہ بنا کر کھڑا کریں گے''۔

جب میں اس آیت پر پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''بس کافی ہے۔'' اچانک میری نگاہ حضور ﷺ کے چہرۂ مبارک پر پڑی تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں۔''

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا شمار قراء صحابہ میں ہوتا ہے۔ آپ کی خوش آوازی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے آپ سے قرآن مجید کی تلاوت سننا پسند فرمایا اور پسند ہی نہیں بلکہ تلاوتِ قرآن سے اتنا متاثر بھی ہوئے کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے......!

(۲) :ایک رات اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ کی قراءت سنی تو صبح کے وقت انہیں بتایا کہ

((لَوْ رَأَيْتَنِيْ وَاَنَا اَسْتَمِعُ لِقِرَاءَتِكَ الْبَارِحَةَ لَقَدْ اُوْتِيْتَ مِزْمَارًا مِّنْ مَزَامِيْرِ آلِ دَاوٗدَ))

''کاش! تمہیں علم ہوتا جب میں کل رات تمہاری قراءت سن رہا تھا (تو تمہیں خوشی ہوتی) تمہیں تو لحنِ آلِ داؤد سے نوازا گیا ہے۔''(۱)

ایک اور روایت میں یہ وضاحت بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی یہ بات سن کر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

((اَمَا وَاللّٰهِ ! لَوْ عَلِمْتُ اَنَّكَ تَسْمَعُ قِرَاءَتِيْ لَحَبَّرْتُهَا لَكَ تَحْبِيْرًا))

''اللہ کی قسم! اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپؐ میری قراءت سن رہے ہیں تو میں آپؐ کے لیے اپنی قراءت کو اور زیادہ خوش الحان بنانے کی کوشش کرتا۔''(۲)

حضرت داؤد بڑے خوش الحان تھے، اس لیے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی خوش الحانی کو آپ نے لحنِ آلِ داؤد سے مشابہت دی۔ بعض اہل علم کے بقول یہاں لفظ آل زائد ہے، مراد لحنِ داؤدی ہے نہ کہ لحنِ آلِ داؤدی۔

---

(۱) [صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب تحسین الصوت بالقراءۃ (ح۷۹۳)]

(۲) [صحیح ابن حبان (ح۷۱۹۷) مستدرک حاکم (ج۳ ص۴٦٦) فضائل القرآن لابن کثیرؒ (ص۳۵)]

(۳) : حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات وہ سورۂ بقرۃ کی تلاوت کررہے تھے اوران کا گھوڑا ان کے پاس ہی بندھا ہوا تھا۔ اتنے میں گھوڑا بدکنے لگا، انہوں نے تلاوت بند کردی تو گھوڑا بھی رک گیا۔ پھر انہوں نے تلاوت شروع کی تو گھوڑا پھر بدکنے لگا۔ اس مرتبہ بھی جب انہوں نے تلاوت بند کی تو گھوڑا بھی خاموش ہوگیا۔ تیسری مرتبہ انہوں نے جب تلاوت شروع کی تو گھوڑا پھر بدکنا شروع ہوگیا۔ ان کے بیٹے یحییٰ چونکہ گھوڑے کے قریب ہی (لیٹے) تھے اس لیے اس خوف سے کہ کہیں گھوڑا ان کے بیٹے کو تکلیف نہ پہنچائے، انہوں نے تلاوت بند کردی اور بچے کو وہاں سے ہٹا دیا۔ پھر اوپر نظر اٹھائی تو کچھ نہ دکھائی دیا۔ (ایک روایت کے مطابق اس سے پہلے انہیں اوپر آسمان پر ایک روشن چھتری نظر آئی تھی) صبح کے وقت یہ واقعہ انہوں نے نبی اکرمؐ سے بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ابن حضیر! تم پڑھتے رہتے، تلاوت بند نہ کرتے! (تو بہتر تھا)۔ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے ڈر لگا کہ کہیں گھوڑا میرے بیٹے یحییٰ کو نہ کچل ڈالے کیونکہ وہ گھوڑے کے بالکل قریب پڑا تھا۔ میں نے سر اوپر اٹھایا اور پھر یحییٰ کی طرف گیا۔ پھر میں نے سر آسمان کی طرف اٹھایا تو ایک چھتری نما چیز نظر آئی جس میں روشن چراغ تھے۔ پھر جب میں دوبارہ باہر آیا تو میں نے اس چیز کو نہیں دیکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ وہ کیا چیز تھی؟ اسید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز سننے کے لیے قریب ہورہے تھے۔ اگر تم رات بھر تلاوت کرتے رہتے تو صبح تک اور لوگ بھی انہیں دیکھتے کیونکہ یہ (وہ فرشتے تھے جو) لوگوں سے چھپتے نہیں۔''[۱]

یعنی حضرت اُسید رضی اللہ عنہ اتنے سوز، ترنم اور خوش الحانی کے ساتھ تلاوت کررہے تھے کہ فرشتے ان کی تلاوت سننے کے لیے اُتر آئے......!!

۷)......حسنِ قراءت اور قواعدِ موسیقی:

گزشتہ مباحث سے معلوم ہوا کہ تلاوتِ قرآن میں حسن پیدا کرنے کو پسند کیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حسنِ قراءت کا اہتمام کرتے تھے۔ بعد کے اَدوار میں جہاں تجوید وقراءت کے

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الفضائل، باب نزول السکینۃ والملائکۃ عند قراءۃ القرآن (ح۵۰۱۸) صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب نزول السکینۃ لقراءۃ القرآن (ح۷۹۶)]

اُصول مرتب ہوئے، وہاں قواعدِ موسیقی سے مدد لینے کا سوال بھی سامنے آیا۔ بعض اہل علم نے قواعد موسیقی سے مدد لینا علی الاطلاق حرام قرار دیا اور اس سلسلہ میں بعض ضعیف روایات سے استدلال کیا مثلاً ایک روایت یہ ہے:

((عن حذیفة قال قال رسول الله ﷺ :اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِهَا، وَاِیَّاکُمْ وَلُحُوْنِ اَهْلِ الْعِشْقِ وَلُحُوْنِ اَهْلِ الْکِتَابَیْنِ وَسَیَجِیْئُ بَعْدِیْ قَوْمٌ یُرَجِّعُوْنَ بِالْقُرْآنِ تَرْجِیْعَ الْغِنَاءِ وَالنَّوْحِ لَایُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ مَفْتُوْنَةٌ قُلُوْبُهُمْ وَقُلُوْبُ الَّذِیْنَ یُعْجِبُهُمْ شَاْنُهُمْ))

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرآن کو عربی لہجے اور عربی آوازوں میں پڑھو اور دیکھو، خبردار! اہل عشق اور اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے سے لہجے اختیار نہ کرو اور سنو! عنقریب میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کو گا گا کر یا نوحے کے انداز میں پڑھیں گے جب کہ قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ ان کے دل بھی فتنے میں پڑے ہوں گے اور ان لوگوں کے بھی جو ان کے طرز اَدا کو پسند کرنے والے ہوں گے۔''(۱)

یہ روایت الفاظ کی کمی بیشی اور جزوی تقدیم و تاخیر کے ساتھ کئی سندوں سے مروی ہے مگر اس کی کوئی سند بھی ضعف سے خالی نہیں۔ اس لیے اس روایت سے استدلال محل نظر ہے۔ اس کے علاوہ اس نقطہ نظر کی تائید میں کوئی اور مضبوط دلیل موجود نہیں۔ جب کہ دوسری طرف بعض اہل علم نے کچھ شرائط کے ساتھ قواعدِ موسیقی سے استفادہ کو درست قرار دیا اور وہ شرائط یہ ہیں:

۱)..... قواعدِ موسیقی سے مدد لینا اس وقت درست ہے جب اس سے مسلّمہ قواعدِ تجوید میں فرق واقع نہ ہو اور تلفظ کی ادائیگی میں لحن جلی (بڑی غلطی) یا لحن خفی (چھوٹی غلطی) کا ارتکاب نہ ہو۔

۲)..... قواعدِ موسیقی کا اہتمام کرتے ہوئے ایسا لب و لہجہ اختیار نہ کیا جائے جو قرآن کی عظمت و وقار اور خشوع و خضوع کے منافی ہو۔ کیونکہ قرآن لہو و لعب کا ذریعہ نہیں بلکہ یہ کتاب ہدایت و نصیحت ہے۔

۳)..... قواعدِ موسیقی کا لحاظ کرتے ہوئے اگر تکلف و تصنع سے کام لینا پڑے تو اس حد تک درست ہے جو غیر فطری نہ ہو لیکن اگر اس میں اتنی مبالغہ آرائی پائی جائے کہ رگیں پھول جائیں، آنکھیں باہر کو آجائیں، یا تلاوت کرتے قاری بے ہوش ہو جائے تو ظاہر ہے یہ طریقہ درست نہ ہوگا۔

(۱) [شعب الایمان، باب فی تعظیم القرآن (ح ۲٦٤۹)]

[4].....خشوع وخضوع کا لحاظ

تلاوتِ قرآن ایک عبادت ہے اور عبادت میں خشوع وخضوع اور عاجزی وانکساری کا لحاظ رکھنا بہت اہم ہے۔اس لیے تلاوتِ قرآن کے وقت خشوع وخضوع کا بھرپور مظاہرہ کرنا چاہیے۔آئندہ سطور میں ہم ایسے اہم نکات کی نشاندہی کر رہے ہیں جو خشوع وخضوع میں معاون ثابت ہوتے ہیں:

۱)......دنیوی مصروفیت ومشغولیت آڑے نہ ہو:

تلاوت اس وقت کی جائے جب کوئی اور دنیوی مصروفیت ومشغولیت آڑے نہ ہو،ورنہ تلاوت کرنے والے کے خشوع وخضوع میں خلل واقع ہوگا۔لیکن اگر کوئی مشغولیت ایسی ہو جو تلاوت میں خلل پیدا نہ کرے تو پھر وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس مشغولیت کے دوران بھی تلاوت کی جاسکتی ہے مثلاً سفر کے دوران اگر تلاوت کا موقع مل جائے تو سواری پر بھی تلاوت کی جاسکتی ہے خود نبی کریم ﷺ کے بارے روایات میں آتا ہے کہ آپؐ اپنی سواری پر بھی قرآن کی تلاوت فرمالیا کرتے تھے۔(۱)

۲)......یکسوئی اور ہوش وحواس قائم ہوں:

تلاوتِ قرآن کے وقت پوری یکسوئی ہونی چاہیے اور ہوش وحواس کے ساتھ تلاوت کرنی چاہیے۔ایسا نہ ہو کہ پڑھنے والے کو یہ پتہ ہی نہ ہو کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔یہ چیز خشوع وخضوع کے بھی منافی ہے اور اس میں یہ خدشہ بھی ہے کہ تلاوت کرنے والا تلاوت میں کوئی بڑی غلطی کر جائے گا۔نماز میں بھی قرآن کی تلاوت کی جاتی اور دعائیں مانگی جاتی ہیں،اس لیے ہر ایسی حالت میں نماز پڑھنے سے بھی منع کیا گیا ہے جس میں انسان کے ہوش وحواس قائم نہ ہوں۔اسی اصول کو تلاوت قرآن کے وقت بھی مدنظر رکھنا چاہیے۔

۳)......قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھا جائے اور دعائیں مانگی جائیں:

قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھنا چاہیے،اس سے خشوع وخضوع میں اضافہ ہوتا ہے۔نبی کریم ﷺ اور آپ کے

(۱) [صحیح بخاری،کتاب المغازی،باب این رکز النبی الرایة یوم الفتح(ح۴۲۸۱)کتاب فضائل القرآن،باب الترجیع(ح۵۰۴۷)صحیح مسلم(ح۷۹۴)]

صحابہ چونکہ قرآن مجید سمجھ کر پڑھتے تھے، اس لیے تلاوت کے دوران وہ بہت زیادہ خشوع وخضوع کا اظہار کرتے تھے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ (دورانِ تلاوت) جب خوف (اورعذاب وغیرہ) کی آیت سے گزرتے تو تعوذ (اعوذ باللہ) پڑھتے (یعنی اللہ سے پناہ مانگتے) اور جب کسی رحمت (نعمت، جنت وغیرہ) کی آیت سے گزرتے تو اللہ سے (اس کی رحمت) کا سوال کرتے اور جب کسی ایسی آیت سے گزرتے جس میں اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور بزرگی کا بیان ہوتا تو وہاں آپؐ اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے (اور سبحان اللہ کہتے)۔''(۱)

۴)......خشیتِ الٰہی کا اظہار کیا جائے:

تلاوت کرنے والے کو دورانِ تلاوت خشیتِ الٰہی کا اظہار کرنا چاہیے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھا جائے۔ آنحضرت ﷺ کے بارے احادیث میں آتا ہے کہ آپ دورانِ تلاوت اگر کسی خوف اور عذاب کی آیت سے گزرتے تو اللہ سے پناہ مانگتے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے نمازِ تہجد میں جب قرآنِ مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُالْحَكِيْمُ﴾ [سورۃ المائدۃ:۱۱۸]

''اگر تو انہیں عذاب دینا چاہے تو یہ تیرے (ہی) بندے ہیں اور اگر تو انہیں معاف فرما دے تو یقیناً تو زبردست اور حکمت والا ہے۔''

تو آپؐ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ آپ اسی آیت کو بار بار دہراتے رہے حتی کہ صبح صادق ہوگئی۔(۲)

دورانِ تلاوت خشیتِ الٰہی کے اظہار کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ تلاوت کرنے والے کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجائیں۔ درج ذیل آیات میں اس حقیقت کی طرف اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ

---

(۱) [صحيح الجامع الصغير(ح-٤٦٥٨)]

(۲) [سنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة، باب ماجاء في القراءة في صلاة الليل(ح-١٣٥٠)سنن نسائي (ح-١٠٠٩)مسند احمد(ج٥ص١٤٩)]

رَبِّنَا إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا﴾[سورۃ الاسراء:۱۰۷تا۱۰۹]

''جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے، ان کے پاس تو جب بھی اس (قرآن) کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے، ہمارے رب کا وعدہ یقیناً پورا ہو کر رہنے والا ہے۔ وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور یہ قرآن ان کی عاجزی اور خشوع وخضوع میں اور اضافہ کر دیتا ہے۔''

۵)......قرآن مجید کا اَدب واحترام اور عظمت ووقار ذہن میں رہنا چاہیے:

تلاوت کے وقت قرآن مجید کا اَدب واحترام اور عظمت ووقار ذہن میں رہنا چاہیے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس طرح خشوع وخضوع میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب انسان یہ سمجھے کہ قرآنِ مجید اللہ کی کتاب اور اس کا کلام ہے اور دورانِ تلاوت وہ اللہ سے ہم کلام ہو رہا ہے۔ لیکن اگر انسان قرآنِ مجید کو بھی عام کتابوں کی طرح سمجھ کر پڑھے تو پھر اس کے دل میں نہ اس کی عظمت ووقار کے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اس پر خشوع وخضوع کے اَثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔

۶)......دورانِ تلاوت دنیوی باتوں سے پرہیز کیا جائے:

دورانِ تلاوت دنیوی باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اگر کوئی ضرورت ہو تو تلاوت روک کر بات چیت کی جا سکتی ہے اور اس کے بعد دوبارہ تلاوت شروع کرنے سے پہلے تعوذ وتسمیہ پڑھ لینا چاہیے۔ لیکن اگر بالفرض دوران تلاوت بار بار سلسلۂ گفتگو جاری رہے، تو ظاہر ہے اس طرح کرنے سے خشوع وخضوع متاثر ہوتا ہے۔

اگر دورانِ تلاوت ضروری بات کی جا سکتی ہے تو پھر سلام کا جواب بھی دیا جا سکتا ہے۔ بعض فقہاء اس بات کو مکروہ سمجھتے ہیں کہ تلاوتِ قرآن میں مشغول شخص کو سلام کہا جائے مگر ہمارے خیال میں یہ عمل مکروہ نہیں۔ اول تو اس لیے کہ بہت سی صحیح اَحادیث میں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ جب بھی کسی مسلمان سے ملاقات کرو، تو اسے سلام کہو۔ دوم اس لیے کہ بعض صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ نماز پڑھنے والے کو بھی سلام کہا جا سکتا ہے اور وہ دورانِ نماز سلام کا جواب اشارے سے دے سکتا ہے۔ اگر نماز پڑھنے والے کو سلام

کہا جاسکتا ہے تو پھر قرآن کی تلاوت کرنے والے کو بالاولیٰ سلام کہا جاسکتا ہے۔اور تلاوتِ قرآن چونکہ نماز کے حکم میں نہیں، اس لیے دورانِ تلاوت اشارے کی بجائے الفاظ کے ساتھ جواب دیا جائے گا۔علاوہ ازیں ایسی کوئی صحیح حدیث بھی موجود نہیں جس میں تلاوت کرنے والے کو سلام کہنے سے روکا گیا ہو۔

۷)...... پرسکون ماحول کا اہتمام رکھا جائے:

تلاوت کرنے والے کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ تلاوت کے لیے ایسے وقت اور ایسی جگہ کا انتخاب کیا جائے، جہاں بات چیت اور شور وغوغا نہ ہو، یا وہاں سے لوگوں کی آمد ورفت نہ ہو رہی ہو یا کوئی اور ایسی صورت نہ ہو جو خلل پیدا کر سکتی ہے۔

۸)......تلاوت کرنے والے کی تلاوت کو غور سے سننا چاہیے:

اگر کوئی شخص قرآنِ مجید کی تلاوت کر رہا ہو تو اس کی تلاوت کو غور سے سننا چاہیے اور اس کے پاس بات چیت یا شور وغوغا نہیں کرنا چاہیے تاکہ تلاوت کرنے والے کے خشوع میں خلل پیدا نہ ہو۔عہد نبویؐ میں کفار و مشرکین یہ کام کرتے کہ جب قرآن مجید پڑھا جاتا تو وہ شور وغوغا برپا کرتے، چنانچہ ان لوگوں کی مذمت کرتے اور مسلمانوں کو اَدب سکھاتے ہوئے قرآن مجید میں یہ بات کہی گئی کہ

﴿ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهُ وَاَنْصِتُوْا ﴾[سورۃ الاعراف :۲۰۴]

''جب قرآن پڑھا جائے تو اسے پورے غور سے سنو اور خاموش رہو۔''

اگر کسی قاری کی کیسٹ لگی ہو تو اس وقت بھی خاموشی کے ساتھ اس کی تلاوت کی طرف توجہ کرنی چاہیے، ورنہ کیسٹ بند کر دینی چاہیے۔

۹)......تلاوت کے دوران دوسروں کے آرام کا بھی خیال رکھنا چاہیے:

جس طرح تلاوت کے دوران خشوع وخضوع کا ماحول پیدا کرنے کے لیے مختلف باتوں کا خیال کیا جاتا ہے، اسی طرح دورانِ تلاوت اس بات کا بھی خیال کرنا چاہیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تلاوت کرنے والا تو اپنے خشوع وخضوع کا بھرپور اہتمام کرلے مگر اس کی تلاوت سے دوسرے لوگوں کو اَذیت اور تکلیف پہنچ رہی ہو مثلاً اگر قریب ہی کوئی شخص سویا ہو یا بیمار پڑا کراہ رہا ہو اور آپ اس کے پاس اونچی آواز سے تلاوت شروع کر دیں تو ظاہر ہے اس سے اسے اَذیت ہوگی اور ہوسکتا ہے وہ آپ کو اور آپ کے اس فعل کو برا بھلا کہنا

شروع کر دے۔اسی لیے نبی کریم ﷺ نے ہر ایسی صورت میں تلاوتِ قرآن سے منع فرمایا ہے، جس سے دوسرے کو اذیت پہنچتی ہو مثلاً ایک دلیل ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے مسجد میں اعتکاف فرمایا تو دیکھا کہ لوگ اونچی اونچی تلاوت کر رہے ہیں، آپؐ نے اپنا پردہ پیچھے ہٹایا اور فرمایا:

((اَلَا اِنَّ کُلُّکُمْ مُنَاجٍ رَبَّهٗ فَلَا يُؤْذِيَنَّ بَعْضُکُمْ بَعْضًا وَلَا يَرْفَعُ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الْقِرَآءَةِ))

''آگاہ رہو! تم میں سے ہر شخص اپنے رب سے سرگوشی کر رہا ہے، اس لیے تم ایک دوسرے کو اذیت نہ دو اور تلاوتِ قرآن میں اپنی آواز ایک دوسرے سے اونچی کرنے کی کوشش نہ کرو۔''[1]

اگر صحت مند آدمی کو تلاوتِ قرآن کے ذریعے اذیت دینے سے منع کیا گیا ہے تو کسی بیمار کو اذیت دینا تو بالاولیٰ منع ہونا چاہیے۔افسوس کہ ہماری مساجد میں اس بات کا اہتمام نہیں کیا جاتا۔رمضان المبارک میں تو بالخصوص اس بات کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ محلے میں کتنے چھوٹے بڑے بیمار ہوں گے اور کتنے تھکے ماندہ ہوں گے، چنانچہ ساری ساری رات لاؤڈ سپیکر میں تلاوت اور تقاریر کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔یہ رویہ قطعی غلط ہے۔سپیکر کا اہتمام ان لوگوں تک محدود رہنا چاہیے جو اس مقصد کے لیے مسجد میں حاضر ہوں۔باہر کے لوگوں تک آواز پہنچا کر ہم جو مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس کے مقابلے میں بیماروں کو اذیت میں مبتلا کرنا زیادہ قبیح ہے۔

......☆......

(۱) [سنن ابوداؤد، کتاب التطوع، باب فی صلاۃ اللیل (ح۱۳۲۸) صحیح الجامع الصغیر (ح۲٦۳٦)]

[5].....سجدۂ تلاوت

قرآن مجید کی بعض آیات ایسی ہیں جنہیں پڑھنے کے ساتھ سجدہ کرنا مستحب ہے۔اس سجدہ کو سجدۂ تلاوت کہا جاتا ہے۔فقہائے احناف اسے واجب جبکہ جمہور فقہاء اسے سنت (مستحب) کہتے ہیں اور یہی رائے زیادہ قوی ہے۔جن مقامات پر یہ سجدہ کیا جاتا ہے وہ حسب ترتیب درج ذیل ہیں:

(۱)سورۃ الاعراف،آیت:۲۰۶۔(۲)سورۃ الرعد،آیت:۱۵(۳)سورۃ النحل،آیت:۵۰(۴)سورۃ الاسراء،آیت:۱۰۹۔(۵)سورۃ مریم،آیت ۵۸۔(۶)سورۃ الحج،آیت:۱۸۔(۷)سورۃ الفرقان، آیت:۶۰(۸)سورۃ النمل،آیت:۲۶۔(۹)سورۃ السجدۃ،آیت:۱۵۔(۱۰)سورۃ صٓ،آیت:۲۴۔ (۱۱)سورۃ حم السجدۃ،آیت:۳۸۔(۱۲)سورۃ القمر،آیت:۶۲۔(۱۳)سورۃ الانشقاق،آیت:۲۱۔ (۱۴)سورۃ العلق،آیت:۱۹۔

یہ ایسے مقامات ہیں جہاں اسلوبِ بیان اگرچہ خود ہی اس بات کا متقاضی ہے کہ تلاوت کرنے والا اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو جائے مگر اس کے باوجود ان مقامات پر سجدہ محض اسلوبِ بیان کی بنیاد پر نہیں کیا جاتا بلکہ ان اَحادیث کی بنیاد پر کیا جاتا ہے جن میں یہ صراحت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان مقامات پر سجدۂ تلاوت کیا ہے۔البتہ سورۃ الحج کی آیت ۷۸ کا سجدۂ تلاوت سنت ہے یا نہیں،اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔

سجدۂ تلاوت مستحب ہے:

آئندہ سطور میں وہ اَحادیث ملاحظہ فرمالیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدۂ تلاوت مستحب ہے،واجب نہیں:

(۱) : ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ ؓ اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ کَانَ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَیَقْرَأُ سُوْرَۃً فِیْهَا سَجْدَۃٌ فَیَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ))[۱]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تو

(۱) [صحیح مسلم:کتاب المساجد،باب سجود التلاوۃ (ح ۵۷۵)]

جب آپ کوئی ایسی سورت پڑھتے جس میں سجدہ کی آیت ہوتی تو آپ ﷺ وہاں سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے۔"

(۲) : ((عَنْ عَبْدِ اللّٰه قَالَ قَرَأَ النَّبِیُّ ﷺ اَلنَّجْمَ بِمَكَّةَ فَسَجَدَ فِیْهَا وَسَجَدَ مَنْ مَّعَهُ))

"حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں سورۃ النجم کی تلاوت فرمائی تو (آیتِ سجدہ پر پہنچ کر) سجدہ کیا اور جو لوگ آپ کے پاس تھے، انہوں نے بھی سجدہ کیا۔"[۱]

یہ دونوں روایات سجدہ کرنے پر دلالت کرتی ہیں جبکہ اگلی دونوں روایات سجدہ نہ کرنے کے جواز پر مبنی ہیں۔

(۳) : ((عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَرَأْتُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ وَالنَّجْمِ فَلَمْ یَسْجُدْ فِیْهَا))

"حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو سورۃ النجم سنائی اور (آیتِ سجدہ پر پہنچ کر آپ اور میں نے) سجدہ نہیں کیا۔"[۲]

(۴) : "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ جمعہ کے روز منبر پر سورۃ النحل کی تلاوت فرمائی اور جب سجدہ والی آیت پر پہنچے تو منبر سے نیچے اتر کر سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی ان کے ساتھ سجدہ کیا۔ اگلے جمعہ انہوں نے پھر یہی سورت تلاوت فرمائی اور جب سجدہ والی آیت پر پہنچے تو فرمایا: لوگو! ہم سجدے والی آیات سے گزرتے ہیں، جو کوئی وہاں سجدہ کرلے وہ درست کرتا ہے اور جو سجدہ نہ کرے، اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ چنانچہ اس مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سجدۂ تلاوت نہ کیا۔"[۳]

سجدۂ تلاوت کی فضیلت:

((عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: اِذَا قَرَأَ ابْنُ آدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اِعْتَزَلَ الشَّیْطَانُ یَبْكِیْ یَقُوْلُ یَاوَیْلَه [یَا وَیْلِیْ] اُمِرَ ابْنُ آدَمَ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَاُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَاَبَیْتُ فَلِیَ النَّارُ))

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب ابن آدم سجدہ والی آیت کی تلاوت کرے اور اس پر سجدہ کرے تو شیطان روتے ہوئے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور کہتا ہے

(۱) [صحیح بخاری، کتاب سجود القرآن، باب ماجاء فی سجود القرآن و سنتها (ح ۱۰۶۷)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب سجود القرآن، باب من قرأ السجدة ولم یسجد (ح ۱۰۷۳)]

(۳) [صحیح بخاری، کتاب سجود القرآن، باب من رأی ان اللہ عزوجل لم یوجب السجود (ح ۱۰۷۸)]

ہائے میری ہلاکت! ابن آدم کو سجدے کا حکم ملا اور اس نے سجدہ کیا تو اس کے لیے جنت ہے جب کہ مجھے سجدے کا حکم ملا اور میں نے سجدے سے انکار کر دیا تو میرے لیے جہنم کی آگ ہے۔''(۱)

سجدۂ تلاوت کے لیے وضو اور قبلہ رخ ہونا مستحب ہے:

سجدۂ تلاوت کے لیے وضو اور قبلہ رخ ہونا ضروری نہیں، البتہ یہ دنوں چیزیں مستحب ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سجدہ والی آیت تلاوت کرتے ہوئے سجدۂ تلاوت کیا تو آپ کے پاس موجود لوگوں نے بھی فوراً سجدہ کیا۔ اب ظاہر ہے آپؐ کے پاس موجود ہر شخص باوضو نہیں تھا مگر اس کے باوجود سجدہ سب نے کیا۔ علاوہ ازیں فوراً سجدہ کرنے میں ہر شخص کے لیے قبلہ رخ ہونے کا اہتمام بھی ممکن نہیں ہوتا، اس لیے لامحالہ جو جس رخ پر بیٹھا ہوگا، وہ ادھر ہی سجدہ ریز ہو گیا ہوگا۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس سلسلہ میں وضو اور قبلہ رخ ہونے کو آپؐ نے لازم بھی نہیں کیا۔ البتہ نماز کے لیے وضو اور قبلہ رخ ہونا شرط ہے مگر سجدۂ تلاوت سے متعلقہ واقعات ہمیشہ حالتِ نماز میں پیش نہیں آئے بلکہ نماز کے علاوہ بھی پیش آئے ہیں۔ بطورِ مثال ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں:

((عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ السَّجْدَةَ وَنَحْنُ عِنْدَهُ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهُ فَنَزْدَحِمُ حَتّٰى مَايَجِدُ اَحَدُنَا لِجَبْهَتِهٖ مَوْضِعًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ))

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ آیتِ سجدہ کی تلاوت فرماتے اور سجدہ کرتے تو ہم بھی آپؐ کے ساتھ سجدہ کرتے اور ہمارا اس قدر ہجوم ہوتا کہ ہم میں سے بعض کو سجدہ کرنے کے لیے جگہ نہ مل پاتی۔''(۲)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ یہ کسی مجلس کا واقعہ ہے نماز سے متعلقہ واقعہ نہیں ہے بلکہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ یہ نماز کا موقع نہیں تھا۔(۳)
اسی طرح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ بغیر وضو کے سجدۂ تلاوت کر لیا کرتے تھے۔(٤)

(۱) [صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاۃ (ح ۸۱)]
(۲) [صحیح بخاری، کتاب سجود القرآن، باب ازدحام الناس اذا قرأ الامام السجدۃ (ح ۱۰۷۶)]
(۳) [صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب سجود التلاوۃ (ح ۵۷۵)]
(٤) [صحیح بخاری، کتاب سجود القرآن، باب سجود المسلمین مع المشرکین...... (ح ۱۰۷۱)]

سجدۂ تلاوت کی دعا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نمازِ تہجد میں جب سجدۂ تلاوت والی آیات پر سجدہ کرتے تو یہ دعا پڑھتے:

((سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِي خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ))

''میرے چہرے نے اس ذات کو سجدہ کیا جس نے اسے پیدا کیا ہے، اور اپنی قدرت وطاقت سے اس کے کان اور آنکھیں بنائیں، پس وہ اللہ بہت بابرکت اور سب سے بہتر تخلیق کرنے والا ہے۔''[1]

سجدۂ تلاوت کے وقت تکبیر اور تسلیم:

ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ جب سجدۂ تلاوت کے لیے جھکتے تو تکبیر کہتے ہوئے جھکتے۔ مگر علامہ البانی وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔[2]

اس لیے سجدۂ تلاوت کے لیے تکبیر کہنا ضروری قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اسی طرح سجدۂ تلاوت سے اٹھتے وقت تکبیر کہنا یا آخر میں سلام کہنا کسی روایت سے ثابت نہیں۔ البتہ حالتِ نماز میں اگر سجدۂ تلاوت کا موقع آجائے تو امام کو چاہیے کہ وہ تکبیر کہہ کر سجدہ کرے۔ یہ جواز اُن احادیث کی بنیاد پر ہے جن میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ حالتِ نماز میں رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے تکبیر کہتے تھے اور اس کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس طرح مقتدیوں کو علم ہوجائے گا کہ امام نے سجدۂ تلاوت کے لیے تکبیر کہی ہے۔ اگر امام بغیر تکبیر کہے سجدہ میں چلا جائے تو بہت سے مقتدیوں کو علم ہی نہ ہوگا کہ امام کے ساتھ کیا ہوا ہے اور ظاہر ہے اس طرح ان کی نماز میں خلل واقع ہوگا۔ ورنہ امام کو چاہیے کہ وہ نماز کے آغاز ہی میں بتادے کہ فلاں رکعت میں سجدۂ تلاوت کیا جائے گا۔

......☆......

(۱) [سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ ،باب مایقول اذاسجد(ح۱٤۱٤)جامع ترمذی(ح۵۸۰) واضح رہے کہ یہ جملہ: ((فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ)) مستدرك حاكم (ج۱ص۲۷۱) میں ہے۔]

(۲) [ضعیف ابوداؤد، کتاب الصلاۃ ،باب فی الرجل یسمع السجدۃ......(ح۳۰٦)]

[6].....روزانہ کا معمول اور طریقۂ تلاوت

۱)......تلاوتِ قرآن کو روزانہ کا معمول بنانا چاہیے:

تلاوتِ قرآن مجید کے آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ تلاوت کو روزانہ کا معمول بنالیا جائے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ ہفتہ کے ایک دن تو کئی پارے تلاوت کرلیے جائیں اور پھر باقی دنوں قرآن کو ہاتھ ہی نہ لگایا جائے۔ یا سال میں ایک مرتبہ رمضان المبارک کے مہینے میں کئی قرآن پڑھے جائیں مگر سال کے باقی مہینوں میں قرآن کی طرف رجوع کے لیے وقت ہی نہ نکالا جائے۔ بلکہ کوشش یہ ہونی چاہیے کہ روزانہ قرآنِ مجید کی تلاوت کی جائے خواہ چند آیات ہی روز پڑھی جائیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کو وہ عمل زیادہ پسند ہے جو دوام (ہمیشگی) کے ساتھ کیا جائے، خواہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔''(۱)

۲)......صحابہ اور سلف صالحین کا معمول:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن مجید سے بے پناہ محبت رکھتے تھے، ان کی عادت یہ تھی کہ جب موقع ملتا قرآن مجید کی تلاوت کرتے۔ حتی کہ بہت سے صحابہ نے قرآن مجید حفظ کرلیا تھا اور رات کو نمازِ تہجد میں کھڑے ہو کر وہ قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی ملاقات ہوئی (ان دونوں صحابیوں کو اللہ کے رسول ﷺ نے یمن کے دو مختلف حصوں کا گورنر مقرر فرمایا تھا) تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تلاوتِ قرآن کے لیے آپ کا کیا معمول ہے؟ حضرت ابوموسیٰ نے جواب دیا کہ میں تو بیٹھے، کھڑے اور سواری پر ہر وقت تھوڑا تھوڑا قرآن پڑھتا رہتا ہوں۔ (تاکہ اپنی روز کی منزل پوری کرسکوں) پھر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ آپ کا کیا معمول ہے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں رات کے پہلے حصہ میں سوجاتا ہوں، پھر کچھ نیند پوری کرنے کے بعد اٹھتا ہوں اور جتنا اللہ کی طرف سے میرے لیے مقدر ہوتا ہے قرآن پڑھتا ہوں۔ میں تلاوتِ

(۱) [صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب الجلوس علی الحصیر (ح ۵۸٦۱)]

قرآن کے لیے اٹھنے کو جس طرح باعثِ اجر سمجھتا ہوں، اسی طرح رات کے آرام کو بھی باعثِ اجر سمجھتا ہوں۔ (۱)

اکثر و بیشتر صحابہ کا یہ معمول تھا کہ وہ سات دنوں میں قرآن مجید ختم کرلیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت طاؤسؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے (کئی) صحابہ سے پوچھا کہ آپ لوگ کس معمول سے قرآن کی تلاوت مکمل کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ پہلے دن تین سورتیں پڑھتے ہیں، دوسرے دن پانچ، تیسرے دن سات، چوتھے دن نو، پانچویں دن گیارہ، چھٹے دن تیرہ اور ساتویں دن (باقی کا آخری حصہ پڑھتے ہیں۔[یعنی اس طرح سات دنوں میں قرآن مکمل کر لیتے ہیں] (۲)

۳)......کتنے دنوں میں قرآن مجید ختم کیا جائے؟

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بکثرت عبادت کیا کرتے تھے اور ہر رات ایک قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے حتی کہ بکثرت عبادت کی وجہ سے بیوی کا حق زوجیت بھی ادا نہ کر پاتے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ خود ہی روایت کرتے ہیں کہ

''میرے والد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ایک شریف خاندان کی عورت سے میرا نکاح کر دیا اور ہمیشہ خبر گیری کرتے اور اس عورت سے اس کے خاوند (یعنی میرے) بارے میں پوچھتے رہتے تھے۔ میری بیوی کہتی کہ عبداللہ بہت اچھا آدمی ہے البتہ جب سے میں ان کے نکاح میں آئی ہوں انہوں نے اب تک میرے بستر پر قدم بھی نہیں رکھا اور نہ میرے کپڑے میں کبھی ہاتھ ڈالا۔ (مراد ہمبستری تھی) جب اسی طرح کئی روز گزر گئے تو میرے والد محترم نے مجبور ہو کر اس کا تذکرہ نبی اکرمؐ سے کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ عبداللہ کو مجھ سے ملواؤ۔ چنانچہ میں آنحضرتؐ سے ملا تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ روزہ کس طرح رکھتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ روزانہ ہی رکھتا ہوں۔ پھر آپؐ نے پوچھا کہ قرآن مجید کس طرح ختم کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ ہر رات۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھا کرو اور پورے مہینے میں ایک قرآن ختم کیا کرو۔ عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں

---

(۱) [صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب بعث ابی موسی ومعاذالی الیمن (ح ۴۳۴۱)]
(۲) [سنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة، باب فی کم یستحب یختم القرآن (ح ۱۱۰۵)]

اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ پھر دو دن چھوڑ کر ہر تیسرے دن روزہ رکھو۔ میں نے عرض کیا کہ میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر وہ روزہ رکھو جو سب سے افضل ہے یعنی حضرت داوٗد علیہ السلام کا روزہ اور وہ اس طرح کہ ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن ناغہ کرو اور قرآن مجید سات دن میں ختم کرو۔ (بعض روایات میں ۵ اور بعض روایات میں ۳ دن میں قرآن ختم کرنے کا ذکر ہے، یعنی آخری حد تین دن ہے۔)[1]

راوی کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بڑھاپے میں بھی اس پر عمل کرتے رہے اور کہا کرتے تھے کہ کاش! میں اللہ کے رسول ﷺ کی رخصت (یعنی ایک ماہ میں قرآن ختم کرنے اور ایک ماہ میں تین روزے رکھنے) کو قبول کر لیتا مگر آپؐ سے وعدہ کر لینے کے بعد حضرت عبداللہ مشقت کے باوجود اس پر عمل کرتے رہے۔"[2]

بعض روایات میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں فرمایا کہ "تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے"۔[3]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مستحب یہ ہے کہ سات دنوں میں قرآن مجید ختم کیا جائے اور عام طور پر صحابہ کا یہی معمول تھا۔ لیکن اگر کوئی شخص زیادہ استطاعت رکھتا ہو اور دیگر مشاغل و ذمہ داریوں سے بھی مستغنی ہو تو وہ تین دنوں میں بھی قرآن مجید ختم کر سکتا ہے مگر تین سے کم دنوں میں قرآن کریم ختم کرنے کو اللہ کے رسول ﷺ نے سخت ناپسند کیا ہے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَمْ یَفْقَهْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِیْ أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ))

"اس شخص نے قرآن مجید کو سمجھا ہی نہیں جس نے اسے تین شب و روز سے کم میں ختم کیا۔"[4]

۴)...... جب طبیعت نہ چاہے تو تلاوت نہیں کرنی چاہیے:

قرآن مجید کی تلاوت اس وقت کرنی چاہیے جس وقت طبیعت پوری طرح آمادہ ہو اور اگر اکتاہٹ یا

(۱) [صحیح بخاری: کتاب فضائل القرآن باب فی کم یقرأ القرآن (ح۵۰۵۲)] (۲) [ایضاً]
(۳) [صحیح بخاری (ح۵۱۹۹) صحیح مسلم (ح۱۱۵۹)]
(۴) [ترمذی، کتاب القراءات (باب ۱۳۔ ح ۲۹۴۹) ابو داؤد، کتاب شهر رمضان، باب تحزیب القرآن (۱۳۹۴)]

تھکاوٹ وغیرہ کا مسئلہ ہو تو پھر زبردستی تلاوت کی کوشش نہیں کرنی چاہیے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے:

((عن جندب بن عبدالله عن النبی ﷺ :اِقْرَءُ وا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ قُلُوْبُكُمْ فَاِذَا اخْتَلَفْتُمْ فَقُوْمُوْا عَنْهُ))

''حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن اس وقت تک پڑھو جب تک تمہارا دل اس میں لگا رہے۔ جب دل نہ لگ رہا ہو تو پھر اسے پڑھنا چھوڑ دو۔''(۱)

۵)......تلاوت اونچی کی جائے یا آہستہ، دونوں طرح درست ہے:

قرآن مجید کی تلاوت اونچی آواز سے کی جائے یا آہستہ، دونوں طرح درست ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت غضیف بن حارثؒ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور ان سے پوچھا:

((اَرَأَيْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَجْهَرُ بِالْقُرْآنِ اَوْيُخَافِتُ[يُخْفِتُ] بِهِ؟ قَالَتْ رُبَّمَا جَهَرَ بِهٖ وَرُبَّمَا خَفَتَ، قُلْتُ : اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ جَعَلَ فِى الْاَمْرِ سَعَةً))

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اونچی آواز سے قرآن کی تلاوت فرمایا کرتے تھے یا آہستہ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونچی تلاوت فرماتے اور کبھی آہستہ۔ تو میں نے کہا: اللہ اکبر! اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اس معاملے میں وسعت رکھی ہے۔''(۲)

یعنی دونوں طرح درست ہے اور اس بات کا انحصار خود تلاوت کرنے والے پر اور اس ماحول پر ہے جس میں تلاوت کی جارہی ہو۔ بعض روایات میں دونوں حالتوں کا الگ الگ ثواب اس طرح بیان کیا گیا ہے:

((عن عقبة بن عامر قال قال رسول الله ﷺ :اَلْجَاهِرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ وَالْمُسِرُّ بِالْقُرْآنِ كَالْمُسِرِّ بِالصَّدَقَةِ))(۳)

(۱) [صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب اِقْرَءُوا الْقُرْآنَ مَا ائْتَلَفَتْ قُلُوْبُكُمْ ...... (ح ٥٠٦٠) صحیح مسلم، کتاب العلم، باب النهی عن اتباع متشابه القرآن ......(ح ٢٦٦٧)]

(۲) [ابو داؤد، کتاب الطهارة، باب فی الجنب یؤخر الغسل (ح ٢٢٦) نسائی (ح ٢٢٢) ابن ماجه (ح ١٣٥٤)]

(۳) [ابو داؤد، کتاب التطوع، باب فی رفع الصوت بالقراءة (ح ١٣٣٣) جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن (ح ٢٩١٩) سنن نسائی (ح ٢٥٦٠)]

''حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص با آواز بلند قرآن مجید پڑھتا ہے، وہ اس شخص کے مانند ہے جو علانیہ صدقہ دیتا ہے اور جو شخص آہستہ آواز میں پڑھتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو چھپا کر صدقہ دیتا ہے۔''

اور یہ بات واضح ہے کہ کسی موقع پر علانیہ صدقے کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اور کسی وقت چھپا کر دینے کا۔

۶)......کیسٹ سے قرآن مجید سننا:

اگر کوئی شخص کسی عذر کی وجہ سے خود تلاوت نہ کر سکتا ہو، یا خود تلاوت کرنے کو دل نہ چاہ رہا ہو تو پھر کیسٹ وغیرہ کی مدد لی جا سکتی ہے۔ کسی اچھے سے قاری کی تلاوت لگا کر اسے سن لینا چاہیے مگر یہ یاد رہے کہ جب تلاوت لگی ہو تو اس وقت بات چیت اور شور و غوغا کی بجائے ہمہ تن گوش ہو کر تلاوت سننی چاہیے۔ جس طرح خود تلاوت کرنے کا ثواب ہے، اسی طرح تلاوت سننے والا بھی اجر و ثواب سے محروم نہیں رہتا۔

۷)......مصحفی ترتیب سے تلاوت کرنا:

قرآن مجید کی تلاوت میں اس بات کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے کہ مصحفی ترتیب سے قرآن پڑھا جائے۔ اگرچہ یہ ضروری نہیں بلکہ بغیر ترتیب کے قرآن مجید کی کسی بھی سورت سے تلاوت کی جا سکتی ہے مگر بہتر یہی ہے کہ ایک ترتیب سے قرآن پڑھا جائے تاکہ یہ اندازہ بھی رہے کہ کتنی مدت میں آپ نے قرآن مجید ختم کیا ہے، پھر صحابہ کرام کا بھی یہی طریقہ تھا کہ وہ مصحفی ترتیب کے مطابق قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے اور ظاہر ہے یہی ترتیب انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ سے سنی تھی اور اسی کے مطابق قرآن مجید کو مصحفی شکل دی گئی۔

بعض لوگ قرآن مجید کی تلاوت اس انداز سے کرتے ہیں کہ پورے قرآن سے کچھ آیات مخصوص کر لیتے ہیں اور پھر انہی کی تلاوت کرتے ہیں مثلاً: سورۃ البقرۃ سے کچھ آیات، پھر سورۃ آل عمران سے کچھ آیات، پھر سورۃ النساء یا سورۃ المائدۃ سے کچھ آیات، علی ہذا القیاس آخر تک۔ اس طریقۂ تلاوت کو درست قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی سلف صالحین میں سے کسی سے ایسا کرنا منقول ہے بلکہ سلف صالحین نے تو اس طرح کرنے کو سخت ناپسند کیا ہے۔

......☆......

(۱) [دیکھیے: فضائل القرآن، لابی عبید (ص ۱۸۹) بحوالہ: الاتقان فی علوم القرآن (ج ۱ ص ۳۵۸)]

[7].....تلاوتِ قرآن اور غیر ضروری آداب

آئندہ سطور میں چند ایک ایسی باتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جنہیں بعض لوگ تلاوتِ قرآن کے ضروری آداب میں شمار کرتے ہیں مگر حدیث و سنت سے ان کے ضروری ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا مثلاً:

۱)......تلاوتِ قرآن کے لیے قبلہ رخ ہونا:

اس بارے کوئی ایسی حدیث موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ تلاوت کے موقع پر قبلے کی طرف رخ کیا جائے۔ البتہ اس سے منع بھی نہیں کیا گیا، اس لیے اسے مباح (جائز) کہا جا سکتا ہے۔

۲)......ختم قرآن کی دعا:

بعض روایات میں ختم قرآن کے موقع پر بعض مخصوص دعاؤں کا ذکر ملتا ہے اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ قرآن مجید ختم کرنے کے بعد جو دعا مانگی جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے مگر اس طرح کی کوئی روایت بسند صحیح ثابت نہیں ہے۔[۱] البتہ بعض سلف سے یہ بات ثابت ہے کہ وہ ختم قرآن کے موقع پر دعا کا اہتمام کرتے اور اسے دعا کی قبولیت کا ایک موقع سمجھتے تھے۔[۲]

۳)......قرآن مجید ختم کرکے دوبارہ آغاز کرنا:

بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ جب سورۃ الناس پڑھ کر قرآن مجید ختم کرتے تو اس کے متصل بعد سورۃ الحمد پڑھتے اور اس کے بعد سورۃ البقرۃ کی آیت ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ تک تلاوت کرتے پھر ختم قرآن کی دعا مانگتے اور اٹھ کھڑے ہوتے۔[۳] مگر یہ روایت ضعیف ہے۔

(۱) [دیکھیے: الاتقان فی علوم القرآن، بتخریج فواز احمد زمرلی (ج۱ص ۳۶۳، ۳۶۴) طبع دار الکتاب العربی، بیروت، س ۱۹۹۹ء]

(۲) [ایضاً (ص ۳۶۱)]

(۳) [الاتقان ایضاً۔ مسند دارمی، النشر فی القراءات العشر، لابن الجزری (ج۲ص ۴۴۰) اس کی سند میں زمعہ نامی ایک راوی ضعیف ہے۔]

قرآن مجید ختم کر کے دوبارہ آغاز کرنے کے بارے میں جامع ترمذی میں بھی ایک روایت آتی ہے مگر اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ اس لیے اس عمل کو مسنون قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (۱)

۴)......سلام نہ کہنا:

بعض اہل علم نے قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کو سلام کہنا مکروہ قرار دیا ہے اور اسے آدابِ تلاوت کے منافی سمجھا ہے مگر اس سلسلہ میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں۔ اس لیے اسے آدابِ تلاوت کے منافی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں ''دورانِ تلاوت دنیوی باتوں سے پرہیز کیا جائے'' کے تحت گزر چکی ہے۔

۵)......پشت نہ کرنا:

بعض لوگ قرآن مجید کی طرف پشت کرنا انتہائی مکروہ سمجھتے ہیں مگر اس بارے بھی کوئی صحیح حدیث موجود نہیں اور نہ ہی ہر جگہ اس پر عمل ممکن ہے مثلاً حج وعمرہ کے موقع پر بیت اللہ اور مسجد نبویؐ وغیرہ میں یا مطبع خانہ (پرنٹنگ پریس) وغیرہ میں تو بالخصوص اس پر عمل ممکن نہیں۔

بعض لوگ اس عمل کو عزت وتکریم کی علامت سمجھتے ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ عزت وتکریم کی علامت ہے تو پھر بیت اللہ (قبلہ)، مسجد نبویؐ، دیگر مساجد، والدین، اساتذہ، دینی کتابوں وغیرہ کے سلسلہ میں ایسا کیوں نہیں کیا جاتا حالانکہ یہ سب چیزیں بھی عزت وتکریم کے لائق ہیں۔ لیکن صحابہ کرامؓ نے ان کی عزت وتکریم کے لیے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا۔

(۱) [جامع ترمذی، کتاب القراءات، باب فی کم اقرأ القرآن ؟ (ح۲۹۴۸)]

باب ۴:

قرآن کا فہم

[1].....قرآن فہمی اور اس کی ضرورت واہمیت

قرآن مجید کے ساتھ ہمارا تیسرا تعلق یہ ہے کہ ہم اس کتاب کے پیغامِ ہدایت کو سمجھنے کی حتی الامکان پوری کوشش کریں کیونکہ جب تک ہم اس کے مندرجات کو نہیں سمجھیں گے، تب تک اس پر عمل کرنا ہمارے لیے ممکن نہ ہوگا مثلاً جب ہمیں یہ علم ہی نہ ہو کہ قرآن مجید معاشرتی، معاشی اور سیاسی زندگی میں ہمیں کیا ہدایات دیتا ہے؟ موت وحیات اور حیات بعد الممات کے بارے میں اس کا نقطۂ نظر کیا ہے؟ کن عقائد ونظریات کی یہ تلقین کرتا اور کن عقائد ونظریات کو یہ غلط قرار دیتا ہے؟ تو ہم کیسے اس کے اَحکام پر عمل پیرا ہو سکتے اور اس کی ہدایات وبرکات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟!

اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہماری پوری زندگی قرآنِ مجید کے اَحکام کے مطابق بسر ہو، ہمارے اِنفرادی و اِجتماعی معاملات قرآن مجید کی روشنی میں طے پائیں، ہمارا ہر قدم قرآن کے سائے میں آگے بڑھے، ہماری فکر کا ہر زاویہ قرآن کی روشنی میں کھینچا جائے تو ہمارے لیے سب سے ضروری چیز یہی ہے کہ ہم قرآن مجید کا فہم حاصل کریں، اس کے پیغام پر غور وفکر کریں اور اس کے اَحکام کو ٹھیک ٹھیک منشاءِ خداوندی کے مطابق سمجھنے کی کوشش کریں۔

قرآن فہمی کی مشکل صورت:

قرآن مجید عربی زبان میں ہے اور ہماری مادری زبان عربی نہیں، اس لیے ہمیں قرآن مجید سمجھنے میں یقیناً دشواری ہے جس کا ایک حل تو یہ ہے کہ ہم پہلے عربی زبان سیکھیں اور پھر قرآن فہمی کی طرف توجہ کریں۔ لیکن عربی زبان اتنی فصیح وبلیغ ہے کہ اس پر دسترس کے لیے لمبا وقت چاہیے۔ پھر اس کے ساتھ عرب کے اس خاص ماحول سے آگاہی بھی ضروری ہے جس میں قران نازل ہوا۔ مزید برآں حدیث وفقہ کے اس وسیع لٹریچر پر بھی گہری نظر چاہیے جس کے بغیر بہت سے قرآنی اَحکام کی تفصیل وتشریح ہمارے لیے ممکن ہی نہیں۔

اس پہلو سے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرآن مجید کے اَحکام پر عبور حاصل کرنے سے پہلے ضمناً کئی علوم حاصل کرنا ضروری ہیں اور ظاہر ہے قرآن فہمی کی یہ صورت ہر کسی کے بس کی بات نہیں، حتیٰ کہ عرب میں پرورش پانے والے ایک صاحبِ زبان سے بھی یہ توقع مشکل ہے کہ وہ محض زبان دانی کی بنیاد پر قرآنی علوم و معارف میں مہارت تامہ رکھتا ہو۔

قرآن فہمی کی آسان صورت:

قرآن فہمی کی ایک دوسری صورت بھی ہے اور یہ ہر اس شخص کے لیے ممکن ہے جو قرآن مجید کو کتابِ ہدایت مانتے ہوئے صدقِ دل سے اس سے روشنی حاصل کرنا چاہتا ہے، اور اس کی روشنی میں اپنا عقیدہ درست کرنا چاہتا ہے، شرک و بدعت اور گمراہی سے نجات پانا چاہتا ہے، اپنے نفس کا تزکیہ اور کردار کی پاکیزگی چاہتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مادری، مقامی یا تعلیمی نسبت سے جس زبان کو بخوبی سمجھتا ہے، اس میں قرآن مجید کا ترجمہ حاصل کر کے پوری یکسوئی اور تسلسل سے اس کا مطالعہ شروع کر دے۔ اس وقت دنیا میں قرآن مجید کے دو سو سے زائد زبانوں میں تراجم شائع ہو چکے ہیں، اس لیے ایسا کرنا اب کوئی مشکل کام نہیں۔

دورانِ مطالعہ انسان کو خود بخود یہ معلوم ہوتا چلا جائے گا کہ مجموعی طور پر قرآن مجید کا پیغام کیا ہے۔ کن باتوں کو قرآن مجید پسند کرتا اور کن چیزوں کو ناپسند کرتا ہے۔ کن چیزوں کا قرآن مجید حکم دیتا اور کن سے منع کرتا ہے۔ پھر دورانِ مطالعہ یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ قرآن مجید کے بیشتر اَحکام اتنی صراحت اور وضاحت سے بیان ہوئے ہیں کہ انہیں سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔ حتیٰ کہ ایک ہی مضمون بعض اَوقات اسلوبِ بیان کے جزوی فرق کے ساتھ اتنی تکرار سے بیان ہوا ہے کہ ایک جگہ اگر سمجھنے میں کچھ کمی رہ جائے تو دوسری جگہ خود بخود اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ ایک جگہ اگر کوئی سوال باقی رہ جائے تو دوسری جگہ اس کا جواب مل جاتا ہے۔ کسی جگہ کوئی ابہام رہ جائے تو دوسری جگہ وہ رفع ہو جاتا ہے۔

ان دونوں صورتوں میں کوئی تضاد نہیں:

مذکورہ بالا سطور میں قرآن فہمی کی جو دو صورتیں پیش کی گئی ہیں، انہیں تضاد نہ سمجھا جائے کہ پہلی صورت میں قرآن فہمی کو نہایت مشکل اور کئی ضمنی علوم کے ساتھ مشروط قرار دیا گیا ہے جو ہر کسی کے لیے ممکن نہیں اور دوسری صورت میں اسے اتنا آسان قرار دیا جا رہا ہے کہ محض ترجمۂ قرآن کی مدد سے اس کے اَحکام اور پیغام کو سمجھ لینے کا دعویٰ کیا جا رہا ہے۔

دراصل یہ دونوں صورتیں دو الگ الگ نوعیتوں پر مشتمل ہیں۔ پہلی صورت میں یہ نوعیت ذکر کی گئی ہے کہ فہم قرآن میں مہارت تامہ ہر کسی کے لیے آسان نہیں اور نہ ہی ہر مسلمان سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ قرآنی علوم و معارف میں مہارت حاصل کرے۔ جبکہ دوسری صورت میں قرآن مجید کے بنیادی خیال، مرکزی پیغام اور اصولی اَحکام کو سمجھنے کی نوعیت بتائی گئی ہے اور ظاہر ہے یہ مقصد ترجمۂ قرآن سے حاصل کیا جاسکتا ہے مثلاً قرآن مجید میں نماز پڑھنے، سچ بولنے، عدل کرنے، جھوٹ سے بچنے وغیرہ کا حکم ملتا ہے۔ یہ سب باتیں عربی زبان میں ہیں اور جب ان کا ترجمہ صاحب زبان کی زبان میں کر دیا جائے تو آپ خود ہی سوچ لیجیے کہ آیا اسے متعلقہ آیات کے ترجمہ سے قرآن کے اَحکام کا علم ہو جائے گا یا ان باتوں کو سمجھنے کے لیے اسے پہلے کئی علوم حاصل کرنا ہوں گے......!

مذکورہ بالا دونوں صورتوں کے باہمی فرق کو اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ پہلی صورت قرآن فہمی کا ابتدائی درجہ ہے اور دوسری صورت قرآن فہمی کا آخری و انتہائی درجہ ہے اور اس تک پہنچنے کا مطالبہ ہر مسلمان سے نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس کی حیثیت فرض کفایہ کی ہے کہ معاشرے میں اتنے لوگ ہمیشہ موجود رہنے چاہییں جو قرآنی علوم میں مہارت تامہ رکھتے ہوں اور قرآنی احکام کی تفصیل و تشریح میں وقت کی ضروریات پوری کرسکیں۔ جن اہل علم نے یہ کہا ہے کہ قرآن فہمی کے لیے کئی علوم کی ضرورت ہے، اس سے ان کی مراد یہی ہے کہ جو قرآنی علوم و معارف میں مہارت تامہ چاہتا ہو، وہ متعلقہ علوم میں پہلے مہارت حاصل کرے۔ لیکن اگر کوئی صاحب علم یہ رائے رکھتے ہوں کہ قرآن مجید کے بنیادی پیغام کو سمجھنے کے لیے بھی کئی علوم (مثلاً لغتِ عربی، صرف و نحو، بلاغت، فقہ، حدیث، وغیرہ) سیکھنا ضروری ہیں تو ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلہ میں ہمارے ملک کی ایک معروف علمی شخصیت جناب محمود احمد غازی صاحب (سابق وفاقی وزیر برائے مذہبی امور، نائب صدر: انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد) کا درج ذیل بیان لائق توجہ ہے:

''بعض علماءِ کرام کے بارے میں، میں نے سنا ہے کہ ان کا یہ کہنا ہے کہ تدریس قرآن کے لیے پہلے مدرسہ کا دس سالہ نصاب مکمل کرنا بے حد ضروری ہے، اس کے بعد ہی تدریس قرآن میں مصروف ہونا چاہیے۔ ان حضرات کی رائے میں چونکہ جدید تعلیم یافتہ اور نو آموز لوگوں کی بنیاد اس دس سالہ نصاب کے بغیر پختہ نہیں ہوتی، جو فہم قرآن کے لیے ناگزیر ہے، اس لیے عام لوگوں میں اس طرح درس قرآن کے حلقے منظم کرنا درست نہیں ہے۔ میں اس خیال سے اتفاق نہیں کرتا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ قرآنِ مجید

کو نہ کسی بنیاد کی ضرورت ہے نہ بیساکھیوں کی۔ قرآنِ مجید بنیاد بھی فراہم کرتا ہے، دیواریں بھی فراہم کرتا ہے اور تعلیم کی تکمیل بھی کر دیتا ہے۔ قرآن مجید خود اپنی جگہ ایک مکمل کتاب ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ باقی علوم قرآن مجید کے محتاج ہیں۔ اس لیے مجھے اس دلیل سے اتفاق نہیں ہے۔ ممکن ہے بعض لوگ آپ سے کہیں کہ آپ نے فقہ اور اصول فقہ کا علم حاصل نہیں کیا یا آپ نے علم الکلام نہیں پڑھا، اس لیے آپ کو درس قرآن کی ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہیے۔ میرا ناچیز کا مشورہ یہی ہے کہ آپ اس وسوسہ میں نہ پڑیں اور اپنا کام جاری رکھیں۔ میں خود فقہ کا طالب علم ہوں۔ فقہی موضوعات پر ہی پڑھتا پڑھاتا ہوں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ قرآن فہمی فقہ کی محتاج نہیں۔ یہ تمام علوم قرآن پاک کے محتاج ہیں، قرآن ان میں سے کسی کا محتاج نہیں۔'' [محاضرات قرآنی، از محمود غازی (ص ۴۳)]

اردو دان طبقہ کے لیے قرآن فہمی آسان ہے:

اردو دان طبقہ کے لیے قرآن فہمی کا ابتدائی درجہ بہت آسان ہے، اس لیے کہ اردو ایک ایسی زبان ہے جو مختلف زبانوں کا مجموعہ ہے اور اس کے ذخیرۂ الفاظ میں ایک بہت بڑا حصہ عربی زبان سے شامل ہوا ہے۔ اس لیے بہت سے عربی الفاظ ہم پہلے ہی پڑھتے، سنتے اور بولتے رہتے ہیں اور یہی چیز قرآن فہمی میں ہمارے لیے معاون بن جاتی ہے۔ بطورِ مثال قرآن مجید کی پہلی سورت (الفاتحہ) پر ذرا غور فرمائیں:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ))[امین]

اس سورت میں لفظِ اَلْحَمْدُ، اللّٰہ اور لفظِ رَبّ سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ جب کہ عَالَم اور عَالَمِيْن (جہان) کے الفاظ سے بھی بہت سے لوگ آگاہ ہیں۔ اَلرَّحْمٰن اور اَلرَّحِيْم کے الفاظ بھی ہمارے لیے واضح ہیں۔ مَالِك کا مطلب بھی ہم اردو زبان میں سمجھتے ہیں۔ يَوْم کا لفظ بھی اکثر و بیشتر اردو زبان میں اسی مفہوم میں استعمال ہوتا ہے جس میں یہ عربی زبان میں بولا جاتا ہے۔ نَعْبُدُ عبادت سے ہے اور نَسْتَعِيْنُ استعانت سے ہے، اردو دان بخوبی سمجھتے ہیں کہ عبادت اور استعانت کا کیا مطلب ہے۔ اسی طرح اِهْدِنَا ہدایت سے ہے۔ صراط مستقیم کا مفہوم سمجھنے میں بھی ہمیں کوئی دقت نہیں۔ اَنْعَمْتَ انعام سے ہے۔ مَغْضُوْب غضب سے اور ضَالِّيْن سے ملتا جلتا لفظ اردو میں 'ضلالت' ہے۔ یہ

سب الفاظ بھی ہم کسی حد تک سمجھتے ہیں۔اب آپ خود ہی اندازہ کرلیں کہ ایک شخص جو اِن الفاظ کو اردو میں استعمال ہونے کی وجہ سے پہلے ہی سمجھتا ہو،اسے سورۂ فاتحہ کا ترجمہ پڑھایا جائے یا وہ خود ترجمۂ قرآن کے ذریعے سورۂ فاتحہ کا ترجمہ پڑھنا چاہے تو اسے سورۂ فاتحہ کا ترجمہ سمجھنے میں کتنا وقت لگے گا۔

یہ مثال صرف سورۂ فاتحہ کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ قرآن مجید کا بڑا حصہ ایسے ہی الفاظ پر مشتمل ہے جن کا معنی ومفہوم ہم بہت حد تک پہلے ہی سمجھتے ہیں۔

قرآن فہمی،قرآن کی روشنی میں:

قرآن فہمی پر خود قرآن مجید نے بڑا زور دیا ہے۔بطورِ مثال چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) : ﴿وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ﴾[سورۃ القمر:آیت ۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰]

''بیشک ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کردیا ہے،پس کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا نہیں ہے؟''

سورۃ القمر میں یہ آیت چار مرتبہ مذکور ہے۔اسی سے آپ اندازہ کرلیں کہ قرآن مجید سے ہدایت ونصیحت حاصل کرنے کو کتنا آسان اور عام فہم قرار دیا جا رہا ہے۔

(۲) : ﴿ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِّیَدَّبَّرُوْا آیٰتِهٖ وَلِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾[سورۃ ص:۲۹]

''یہ بابرکت کتاب (ہے) جسے ہم نے آپ کی طرف اس لیے نازل کیا ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں پر غوروفکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔''

(۳) : ﴿ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْآنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ قُرْآنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ﴾[سورۃ الزمر:۲۷]

''اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں بیان کردی ہیں،تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔یہ قرآن ہے عربی میں،جس میں کوئی کجی نہیں،تاکہ وہ (لوگ) پرہیزگار بن جائیں۔''

(۴) : ﴿ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْآنِ لِیَذَّکَّرُوْا﴾[سورۃ بنی اسرائیل :۴۱]

''ہم نے تو اس قرآن میں ہر ہر طرح بیان فرمادیا تاکہ لوگ سمجھ جائیں۔''

جو لوگ قرآن مجید پر غور وتدبر نہیں کرتے،ان کی سرزنش کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

(۵) : ﴿ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْآنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾[سورۃ محمد:۲۴]

''کیا یہ قرآن پر غوروفکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر ان کے تالے لگ گئے ہیں۔''

[2].....قرآن فہمی کی بنیادی شرائط

ا).....نیت کی درستی:

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ نیک عمل کی قبولیت کے لیے نیت کا نیک ہونا بھی ضروری ہے۔حدیث کی سب سے معتبر کتاب صحیح بخاری کی سب سے پہلی حدیث ہی یہ ہے کہ

﴿ إِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ﴾ (۱)

''عملوں کا دارومدار نیتوں پر ہے۔''

یعنی جیسی نیت ہوگی ویسا سلوک کیا جائے گا۔اگر اللہ کی رضا مندی کی نیت سے کوئی کام کیا جائے گا تو یقیناً اللہ کی رضا مندی حاصل ہوگی اور اگر دنیوی اغراض ومقاصد کے لیے کوئی کام کیا جائے گا تو پھر آخرت میں اس کا کوئی اجروثواب نہ ہوگا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بھی عمل کی بہتری اور قبولیت کے لیے اس کے پیچھے کارفرما 'نیت' اور 'ارادہ' کا درست ہونا ضروری ہے۔فہم قرآن میں نیت کے درست ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اس ارادہ سے قرآن مجید پڑھے کہ وہ اس میں دیے گئے خدائی پیغام کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا اور اس پر پورا پورا عمل کرنا چاہتا ہے۔ظاہر ہے جب اس سوچ کے ساتھ انسان قرآن مجید پڑھتا ہے تو اس کی زندگی میں نمایاں تبدیلی واقع ہونے لگتی ہے۔وہ قرآن کے ہر ہر حکم کو اپنی زندگی میں عملاً نافذ کرنا شروع کر دیتا ہے، چنانچہ اس کا ایمان بھی اس کتاب پر بڑھ جاتا ہے اور اس کے فہم کے دریچے بھی اس کے لیے ایک ایک کر کے کھلتے چلے جاتے ہیں۔قرآن مجید نے اس حقیقت کو مختلف اَسالیب میں بیان کیا ہے، چند آیات ملاحظہ ہوں:

(۱) : ﴿ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾[سورة البقرة:۲]

''یہ ایسی کتاب ہے کہ اس (کے کتاب اللہ ہونے) میں کوئی شک نہیں۔(یہ کتاب) راہ دکھانے والی ہے، ان لوگوں کو جو پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں۔''

(۱) [صحيح بخارى: كتاب بدء الوحى: باب كيف كان بدء الوحى الى رسول اللهﷺ ...... (ح۱)]

یعنی اس کتابِ الٰہی سے ہدایت ورہنمائی صرف وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو پرہیز گاری اور خشیت الٰہی کے سچے جذبات اور نیک نیتوں کے ساتھ اسے پڑھتے اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ درج ذیل آیات میں بھی یہی بات بیان کی گئی ہے:

(۲) : ﴿ مَا اَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقٰى اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴾[سورة طه:۲،۳]

''ہم نے یہ قرآن آپؐ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں، بلکہ یہ تو ہر اس شخص کے لیے باعثِ نصیحت ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے۔''

ظاہر ہے جو اللہ سے نہیں ڈرتا، وہ اس کتاب سے ہدایت ونصیحت حاصل کرنے سے بھی محروم رہتا ہے۔

(۳) : ﴿ وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾[سورة الحاقة:٤٨]

''بے شک یہ قرآن تو پرہیز گاروں کے لیے نصیحت ہے۔''

یہاں یہ بھی واضح رہے کہ جو لوگ مذموم مقاصد کے لیے فہم قرآن کی راہ اختیار کرتے ہیں، وہ اس قرآن سے ہدایت حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

۲)......قرآن کو کتاب ہدایت سمجھنا:

قرآن فہمی کے لیے یہ بات بڑی بنیادی ہے کہ انسان اس کتاب کا مطالعہ اس سوچ کے ساتھ شروع کرے کہ یہ کتابِ ہدایت ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کے بارے میں اس کتاب میں رہنمائی فراہم نہ کی گئی ہو۔ جس طرح ماضی میں ہمارے اسلاف نے اس کتاب سے رہنمائی حاصل کی اور عزت پائی، اسی طرح حال اور مستقبل میں بھی ہدایت، عزت اور عروج اس کے بغیر ممکن نہیں۔ ظاہر ہے اس کتاب کا فہم حاصل کرنے کا شوق اسے ہی ہوگا جو اسے ہدایت کی کامل ومکمل کتاب تسلیم کر کے اس کی طرف قدم اٹھائے گا اور جو اسے کتابِ ہدایت ہی نہ سمجھتا ہو یا معاذ اللہ آج کے دور میں اسے ناقابل عمل سمجھتا ہو، وہ کبھی بھی اس کا فہم حاصل نہیں کر سکتا۔

قرآن مجید کی بے شمار آیات میں اسے کتاب ہدایت قرار دیا گیا ہے مثلاً ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَنَزَّلْنَـا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَّ رَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴾ [سورة النحل :۸۹]

”(اے نبیؐ!) ہم نے آپؐ پر یہ کتاب نازل فرمائی ہے جس میں ہر چیز کا شافی بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے یہ ہدایت، رحمت اور خوشخبری (والی کتاب) ہے۔“

۳)......قرآن مجید سے دلچسپی:

قرآن فہمی کی ایک شرط یہ ہے کہ ہم قرآن مجید سے محبت، تعلق اور گہری دلچسپی پیدا کریں۔ اتنی گہری کہ جب تک قرآن مجید کو کچھ نہ کچھ وقت نہ دے لیں، ہمیں اطمینان نصیب نہ ہو۔ روزمرہ کی مصروفیات کیسی ہی شدید اور حالات کیسے ہی سخت اور ناساعد ہی کیوں نہ ہوں، اس کے باوجود ہم قرآن مجید کے لیے وقت نکالیں۔

ہر شخص کو کسی نہ کسی کام سے دلچسپی ہوتی ہے حتیٰ کہ صبح اٹھتے ہی وہ سب سے پہلے اسی کام کو انجام دیتا ہے مثلاً جسے اخبار پڑھنے یا خبریں سننے کی عادت ہو، جب تک اسے اپنی اس عادت کی تسکین کا سامان میسر نہ آئے، اسے چین ہی نہیں آتا۔ یہی صورتحال اگر قرآن مجید کے ساتھ قائم ہو جائے تو یہ انسان کے لیے باعثِ سعادت ہے۔ اس مقصد کے لیے اگر انسان درج ذیل نکات کو ذہن نشین کر لے تو ایسا ممکن ہے:

۱)......قرآن مجید کو انسان اللہ کا کلام سمجھے اور اس بات میں خوشی محسوس کرے کہ قرآن مجید کے ذریعے میں کائنات کے شہنشاہ سے مخاطب ہوتا ہوں۔

۲)......قرآن مجید کو اپنے لیے باعثِ نجات اور معیارِ ہدایت سمجھے اور اس خیال کے ساتھ قرآن پڑھے کہ اس میں میرے ہر مسئلہ کی رہنمائی موجود ہے۔

۳)......قرآن مجید کو اس نیت کے ساتھ پڑھے کہ اس سے گھر میں برکت ہوتی اور شیطان کو عمل دخل کا موقع نہیں ملتا۔ حتیٰ کہ جنات بھی اس گھر سے بھاگ جاتے ہیں جہاں قرآن پڑھا جائے۔

۴)......قرآن مجید کو اس خیال کے ساتھ پڑھے کہ اس کا پڑھنا باعثِ اجر و ثواب ہے، حتیٰ کہ اس کے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں۔

۵)......قرآن مجید کو اس نیت کے ساتھ پڑھے کہ اس سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

۶)......قرآن مجید کو اس نیت کے ساتھ پڑھے کہ یہ روزِ قیامت اللہ کی عدالت میں میرا سفارشی بن کر پیش ہوگا اور میرے حق میں مقدمہ لڑے گا۔

۴)......قرآن کے حضور عاجزی و اِنکساری اور تقوٰی:

قرآن مجید نورِ ہدایت ہے جس کے سامنے حق و باطل کے راستے جدا جدا ہو جاتے ہیں اور قرآن کا فہم حاصل کرنے والے کے لیے یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ کون سا راستہ اختیار کرے اور کون سا راستہ چھوڑ دے مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ انسان عاجزی و انکساری اور خشیتِ خداوندی کے جذبہ سے سرشار ہو کر اس کی طرف قدم اٹھائے۔ قرآن مجید کے بالکل آغاز ہی میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اس کتاب سے وہی لوگ ہدایت پائیں گے جو اللہ سے ڈرنے والے ہوں گے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾[سورة البقرة:۲]

"(یہ کتاب) راہ دکھانے والی ہے، ان لوگوں کو جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔"

اسی طرح ایک اور آیت میں یہ بات بیان ہوئی ہے:

﴿ فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴾[سورة ق:۴۵]

"(اے نبیؐ!) آپ اس قرآن کے ذریعے ان لوگوں کو سمجھاتے رہیں جو میرے وعید (ڈراوے کے وعدوں) سے ڈرنے والے ہیں۔"

معلوم ہوا کہ اس قرآن کے ذریعے ہدایت ونصیحت انہیں ہی حاصل ہوتی ہے جو اللہ کے حضور عاجزی اختیار کرتے ہیں۔ جب کہ وہ لوگ جو عاجزی وانکساری کی بجائے تکبر وسرکشی کے ساتھ اس کو اٹھائیں اور اپنی عقل واختراعات کو اس سے برتر سمجھیں، وہ اس سے نہ ہدایت حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے پیغام کی معنویت کو سمجھ سکتے ہیں۔ ایسے ہی ظالم ومتکبر لوگوں کے بارے قرآن مجید میں یہ کہا گیا:

﴿ حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ......تِلْكَ آيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَ اللّٰهِ وَآيٰتِهٖ يُؤْمِنُوْنَ وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ يَسْمَعُ آيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ آيٰتِنَا شَيْئًا ۨاتَّخَذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴾[سورة الجاثية:۱،۲،۵تا۹]

"حٰمٓ۔ یہ کتاب اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے ہے... یہ اللہ کی آیتیں ہیں جنہیں ہم حق کے ساتھ آپ کو سنا رہے ہیں، پس اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کے بعد یہ کس بات پر ایمان لائیں گے۔

ہلاکت اور افسوس ہے ہر ایک جھوٹے گنہگار پر۔ جو اللہ کی آیتیں اپنے سامنے پڑھی جاتی ہوئے سنتا ہے، پھر بھی غرور کرتا ہوا اس طرح اڑا رہے کہ گویا اس نے (آیات) سنی ہی نہیں، تو ایسے لوگوں کو درد ناک عذاب کی خبر (پہنچا) دیجیے۔ اور جب وہ ہماری آیتوں میں سے کسی آیت کی خبر پا لیتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے، یہی لوگ ہیں جن کے لیے رسوائی کا عذاب ہے۔''

درج ذیل آیت بھی اسی مفہوم کی ہے:

﴿ سَاَصْرِفُ عَنْ آيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴾ [سورة الاعراف:١٤٦]

''میں اپنی نشانیوں (آیتوں) سے ان لوگوں کی نگاہیں پھیر دوں گا جو بغیر کسی حق کے زمین میں تکبر کرتے ہیں، وہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں کبھی اس پر ایمان نہ لائیں گے، اگر سیدھا راستہ ان کے سامنے آئے تو اسے اختیار نہ کریں گے اور اگر ٹیڑھا راستہ نظر آئے تو اس پر چل پڑیں گے، اس لیے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا اور ان سے بے پروائی کرتے رہے۔ ہماری نشانیوں کو جس کسی نے جھٹلایا اور آخرت کی پیشی کا انکار کیا، اس کے سارے اعمال ضائع ہو گئے۔''

۵)......مناسب جگہ، پرسکون ماحول اور موزوں وقت:

قرآن فہمی کے لیے یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ انسان ایسے وقت میں مطالعۂ قرآن کے لیے بیٹھے جب اسے کوئی اور مشغولیت نہ ہو۔ حتیٰ کہ ذہنی و جسمانی طور پر تھکاوٹ نہ ہو، بخار یا تکلیف نہ ہو، نیند نہ آ رہی ہو، سستی اور کاہلی نہ ہو بلکہ چستی اور چاق و چوبند حالت ہونی چاہیے۔ اور جس جگہ کا انتخاب کیا جائے، وہ پاک صاف ہونے کے ساتھ ہر طرح کے شور و شغب سے خالی اور پرسکون بھی ہونی چاہیے تا کہ مطالعہ قرآن کے لیے مکمل طور پر ذہنی یکسوئی میسر آئے اور قرآن فہمی کے مقصد کی تکمیل ہو سکے۔

٦)......فہم قرآن کے لیے اللہ کے حضور دعا:

اللہ کی توفیق کے بغیر انسان کچھ نہیں کر سکتا حتی کہ ہدایت اور گمراہی کا انحصار بھی اللہ ہی کی طرف سے توفیق یا عدم توفیق پر ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماتے ہیں، وہی اس کتاب سے رہنمائی حاصل کرتے

ہیں اور جنہیں توفیقِ الٰہی سے محروم کردیا جاتا ہے، وہ اس کتابِ ہدایت سے کوئی فیض نہیں اٹھا پاتے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ﴾[سورة ابرهيم:۲]

''(اے نبیؐ!) یہ عالی شان کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے، تاکہ آپ لوگوں کو ان کے رب کے حکم (توفیق) سے اندھیروں سے اجالے کی طرف لائیں۔''

اس آیت میں ''رب کے حکم (توفیق) سے.....'' کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ رب کے حکم و اذن اور توفیق کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا، لہٰذا جب ہدایت و رہنمائی اللہ کے ہاتھ میں ہے تو ہمیں اللہ ہی سے صدقِ دل سے یہ دعا کرنی چاہیے کہ وہ ہمیں ہدایت سے نوازے اور اپنی اس کتاب کے فہم کے دروازے ہم پر کھول دے جسے اس نے رہتی دنیا تک تمام انسانوں کے لیے کتابِ ہدایت بنا کر نازل فرمایا ہے۔ اور ساتھ یہ دعا بھی کرنی چاہیے کہ ''یا اللہ! ہدایت کی راہ واضح ہوجانے کے بعد ہمیں اس پر عمل کی بھی توفیق عطا فرما اور اس سے اعراض سے بچا۔'' اس سلسلہ میں قرآن مجید ہی میں مذکور یہ دعا پڑھتے رہنا چاہیے:

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴾[سورة آل عمران:۸]

''اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کردینا اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما، یقیناً تو ہی سب سے بڑھ کر عطا کرنے والا ہے۔'' [آمین!]

......☆......

[3].....فہم قرآن کے اُصول ومبادی☆

قرآن کی تفسیر خود قرآن اور سنت رسولؐ سے:

تفسیر قرآن کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے۔اس لیے کہ قرآن مجید میں جو مضمون ایک جگہ مجمل ہے،دوسری جگہ مفصل ملے گا اور جہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے،دوسری جگہ اس کی تفصیل مل جائے گی اور اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو سنتِ رسولؐ کی طرف رجوع کیا جائے جو قرآن کی تشریح و تفسیر کرتی ہے بلکہ امام شافعیؒ (محمد بن ادریس شافعیؒ) تو یہاں تک کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو حکم بھی دیا ہے،وہ قرآن ہی سے ماخوذ ہے۔[الرسالة،از امام شافعیؒ (ص۹۲)]

اس بارے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ﴾[سورة النسا:١٠٥]

''بلاشبہ ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب نازل کی ہے تاکہ آپؐ (اس کے ذریعے) لوگوں کے درمیان وہی فیصلہ کریں جو اللہ آپ کو سمجھادے۔''

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾[سورة النحل:٤٤]

''اور ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف اتاری ہے تاکہ آپ وضاحت کریں لوگوں کے لیے،ان مضامین کی جو ان کی طرف اتارے گئے ہیں اور تاکہ وہ غور کریں۔'' نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾

[سورة النحل:٦٤]

''(اے نبیؐ!) ہم نے یہ کتاب آپ پر اسی لیے نازل کی ہے کہ آپ کھول کر بتادو ان (لوگوں) کو وہ باتیں جن میں ان کا اختلاف ہے اور یہ کتاب ہدایت اور رحمت ہے،ایمان والوں کے لیے۔''

☆......[فہم قرآن کے یہ اصول ومبادی امام ابن تیمیہؒ کے 'مقدمہ تفسیر' کے مباحث سے ماخوذ و مستفاد ہیں۔(مؤلف)]

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور قرآن کے ساتھ اس کے مثل ایک اور چیز بھی۔'' [سنن ابوداؤد، مسند دارمی، مسند احمد]

اس مثلِ قرآن سے مراد سنت ہے، کیونکہ سنت بھی (وحی کی حیثیت سے) نازل ہوتی تھی، البتہ قرآن کی طرح اس کی تلاوت جائز نہیں رکھی گئی۔ امام شافعیؒ وغیرہ نے اس مسئلہ کو بکثرت دلائل سے واضح کیا ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ قران کی تفسیر، خود قرآن ہی سے طلب کرو اور اگر قرآن میں نہ پاؤ تو سنت میں تلاش کرو۔

اَقوالِ صحابہؓ:

لیکن جب ہمیں قرآن کی تفسیر نہ قرآن میں ملے اور نہ ہی سنتِ رسولؐ میں، تو ہمیں اَقوالِ صحابہ میں اس کی تلاش کرنی چاہیے کیونکہ نزولِ قرآن کے مخصوص حالات کے براہِ راست مشاہدے کی وجہ سے وہ سب سے زیادہ مطالبِ قرآن سے آگاہ تھے، انہیں فہمِ کامل اور عملِ صالح کی دولت بھی نصیب ہوئی، خصوصاً ان کے علماء وأکابر مثلاً خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم اور ہدایت یافتہ ائمہ جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ، چنانچہ امام ابن جریر طبریؒ نے اپنی اسناد سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

''میں اللہ وحدہ لاشریک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ قرآن مجید کی کوئی آیت ایسی نہیں جس کے بارے میں مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ یہ آیت کس کے حق میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔ اگر میں کسی ایسے شخص کو جانتا جو مجھ سے زیادہ اللہ کی کتاب کا علم رکھتا اور اس کے پاس سواری کے بغیر پہنچنا ممکن نہ ہوتا تو میں ضرور اس کے پاس جا پہنچتا۔'' [تفسیر طبری (ج ۱ ص ۳۰)]

امام اعمشؒ نے اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''ہم میں سے کوئی شخص جب دس آیتیں پڑھتا تو جب تک ان آیتوں کے معانی کی معرفت حاصل نہ کر لیتا اور ان پر عمل میں بھی پختہ نہ ہو جاتا، وہ آگے نہیں بڑھتا تھا۔'' [ایضاً]

انہی ہدایت یافتہ ائمہ میں سے رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی ہیں جو آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے بحر العلوم بن گئے، چنانچہ آپؐ نے ان کے لیے یہ دعا فرمائی:

((اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ الْكِتَابَ))[صحیح بخاری (ح۱۴۳، ح۳۷۵۶)]

''یااللہ! اسے دین میں تفقہ اور قرآن کا فہم عطا فرما دے۔''

ابن جریرؒ نے اپنی اسناد سے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے:

''ابن عباس رضی اللہ عنہ قرآن کے کیا ہی خوب ترجمان ہیں!'' [تفسیر طبری (ج ۱ ص ۴۰)]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ قول، ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں کئی سندوں سے مروی ہے، لہٰذا الیقین ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے یہی کہا ہوگا۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انتقال ۳۲ھ میں ہوا جبکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ان کے بعد بھی چھتیس سال زندہ رہے۔ اندازہ کریں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بعد اس طویل مدت میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے علم میں کتنا اضافہ ہوا ہوگا!

اعمشؒ سے ابووائلؒ نے بیان کیا کہ

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور انہوں نے اپنے خطبے میں سورۂ بقرہ (یا سورۂ نور) تلاوت کر کے اس کی ایسی تفسیر بیان کی کہ اگر روم، ترک، دیلم کے کفار بھی سن لیتے، تو ضرور اسلام لے آتے۔'' [تفسیر طبری (ج ۱ ص ۳۶)]

اَقوالِ تابعینؒ:

قرآن کے کسی حصہ کی تفسیر اگر خود قرآن میں یا حدیث میں یا اَقوالِ صحابہ میں نہ ملے تو ایسی صورت میں بہت سے ائمہ کرام اَقوالِ تابعین کی طرف رجوع کرتے ہیں مثلاً مجاہد بن جبیرؒ کی طرف جو علم تفسیر میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ محمد بن اسحاقؒ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ مجاہدؒ کہتے تھے: ''میں نے قرآن مجید شروع سے آخر تک تین مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا۔ ہر آیت پر انہیں ٹھہراتا اور اس کی تفسیر ان سے پوچھتا۔'' [ایضاً ص ۴۰]

امام ترمذیؒ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ''قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں، جس کی تفسیر میں (صحابہ سے) میں نے کچھ نہ کچھ سنا نہ ہو۔'' [جامع ترمذی]

ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مجاہد کو دیکھا کہ وہ اپنے رجسٹر لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور تفسیر قرآن کے بارے میں سوال کرنا شروع کیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا: لکھتے جاؤ، اس طرح مجاہد نے پوری تفسیر ان سے پوچھ لی۔ اسی لیے سفیان ثوریؒ کہا کرتے تھے کہ: ''جب مجاہدؒ سے تفسیر ملے تو یہ تمہارے لیے کافی ہے۔'' [ایضاً]

اسی طرح دیگر تابعینؒ ہیں جن کا پایہ علم تفسیر میں بہت بلند ہے مثلاً حضرت سعید بن جبیرؒ، حضرت عکرمہؒ، حضرت عطا بن ابی رباحؒ، حضرت حسن بصریؒ، حضرت مسروق بن اجدعؒ، حضرت سعید بن مسیبؒ، حضرت ابوالعالیہؒ، حضرت قتادہؒ، حضرت ربیعؒ، حضرت ضحاک بن مزاحمؒ وغیرہ اوران کے بعد علماءِ صالحین وغیرہ۔

تابعینؒ کے مختلف اَقوال میں تطبیق کی ضرورت:

آیات کی تفسیر میں سلف صالحین کے اقوال نقل کرنے چاہییں۔ ان اقوال کو دیکھ کر بعض اوقات کم علم لوگ اس وہم میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ ان کا آپس میں اختلاف ہے اور اسی وہم کی بنیاد پر وہ ان اقوال کو اختلافات کہہ کر پیش کرنا شروع کردیتے ہیں، حالانکہ امرواقعہ یوں نہیں بلکہ یوں ہے کہ کسی قول میں ایک چیز کے لازم یا نظیر کو بیان کیا ہوتا ہے اور کسی قول میں بعینہٖ اسی چیز کا بیان ہوتا ہے۔ الفاظ تو مختلف ہوتے ہیں مگر معناً ان میں اختلاف نہیں ہوتا، بلکہ ایک ہی چیز کا جداجدالفظوں میں بیان واظہار ہوتا ہے۔ سلف کی تفسیروں میں ایسا بہت نظر آتا ہے لہٰذا اس چیز کو علم تفسیر میں مدنظر رکھنا چاہیے۔

شعبہ بن حجاجؒ وغیرہ سے مروی ہے کہ جب تابعین کے اقوال فروعِ اَحکام میں حجت نہیں تو تفسیر قرآن میں کیونکر حجت ہوسکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے وہ اقوال حجت نہیں جن میں ان کا آپس میں اختلاف ہے اور یہ بات صحیح ہے، ایسی صورت میں ایک تابعی کا قول دوسرے پر حجت نہیں، نہ ہی وہ بعد والوں پر حجت ہوگا، بلکہ ایسی صورت میں تفسیر کرتے ہوئے قرآن وسنت کی زبان کو، اَقوالِ صحابہؓ اور عام لغتِ عرب کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ لیکن جب تابعین کا کسی مسئلہ میں اتفاقِ رائے ہو تو پھر ان کے اقوال بلاشبہ حجت ہیں۔

اسرائیلی روایات:

رسول اللہ ﷺ نے اہل کتاب سے روایت کرنے کی اجازت دی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''میری طرف سے دوسروں کو پہنچاؤ اگرچہ ایک آیت ہی ہو اور بنی اسرائیل سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن جو کوئی جان بوجھ کر میری طرف جھوٹ منسوب کرے، وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔''

یہ حدیث امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اور انہی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو جنگ یرموک میں اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کی کتابوں کے دو بورے کہیں سے دستیاب ہوگئے تھے اور وہ اسی حدیث سے اجازت سمجھنے کی بنا پر اہل کتاب کی ان کتابوں سے روایت کیا کرتے تھے۔

اسرائیلی روایات کی حیثیت:

لیکن یہ یاد رہے کہ اسرائیلیات، استشہاد کے لیے تو روایت کی جاسکتی ہیں، مگر اعتقاد کے لیے نہیں کیونکہ اسرائیلیات تین قسم کی ہیں:

۱)......ایک وہ جن کی صحت ہمارے دینِ ہدایت سے بھی معلوم ہو چکی ہے، ان کی ہم تصدیق کرتے ہیں۔

۲)......دوسری وہ جن کا جھوٹا ہونا ہمارے دینِ ہدایت سے ثابت ہو چکا ہے، ظاہر ہے ہم بھی ان کے جھوٹا ہونے پر یقین کریں گے۔

۳)......اور تیسری قسم ایسی ہے جس کے بارے میں ہمارا دینِ ہدایت خاموش ہے، ان کی نہ تصدیق کرتا ہے نہ تکذیب، تو ایسی اسرائیلیات پر ہم نہ ایمان رکھتے ہیں، نہ انہیں جھٹلاتے ہیں۔ان کی روایت زیادہ سے زیادہ استشہاد کے لیے جائز ہو سکتی ہے۔

اسرائیلیات کی اِفادیت؟

لیکن اکثر و بیشتر اسرائیلیات ایسی ہیں کہ ان سے دین میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، اسی لیے خود علمائے اہل کتاب کا بھی ان میں بڑا اختلاف ہے۔ان اسرائیلیات کی وجہ سے بھی ہمارے مفسرین میں اختلاف ہوا ہے، جیسا کہ اس مسئلہ میں اختلاف کہ اصحاب کہف کے نام کیا تھے؟ ان کے کتے کا رنگ کیسا تھا؟ ان کی تعداد کتنی تھی؟ یا یہ اختلاف کہ عصائے موسیٰؑ کس درخت کی لکڑی کا تھا؟ یا یہ کہ وہ کون سے پرندے تھے جنہیں اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کے لیے زندہ کردیا تھا؟ یا یہ کہ حضرت موسیٰؑ کے دور میں گائے کا وہ کون سا حصہ تھا، جس سے مقتول کو مارا گیا تھا؟

یہ ایسے امور ہیں جنہیں خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مبہم رکھا ہے اور ان کی وضاحت سے کسی کو دین و دنیا کا کوئی خاص فائدہ بھی نہیں ہوتا، مگر ان امور کے بارے اہل کتاب کا اختلاف نقل کرنا جائز ہے، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اصحاب کہف کی تعداد کے سلسلہ میں یہ ذکر فرمایا ہے:

﴿ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَّبِّیْ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا﴾ [سورة کهف:۲۲]

''بعض کہیں گے کہ وہ تین ہیں اور چوتھا ان کا کتا ہے اور بعض کہیں گے کہ وہ پانچ ہیں اور چھٹا ان کا کتا ہے۔ یہ لوگ بے تحقیق بات ہانک رہے ہیں اور بعض کہیں گے کہ وہ سات ہیں اور آٹھواں ان کا کتا ہے۔ (اے نبیؐ!) کہہ دو، میرا رب ان کی تعداد خوب جانتا ہے، جبکہ تھوڑے ہی لوگ (حقیقتِ حال) جانتے ہیں۔ آپؐ اس سلسلے میں سرسری گفتگو ہی کریں اور ان میں سے کسی سے بھی اس کے متعلق دریافت نہ کریں۔''

اس آیت میں ہمیں یہ سکھایا گیا ہے کہ ایسے مقام میں کس ادب سے کام لینا اور کون سی روش اختیار کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے تین اقوال کا تذکرہ کیا ہے۔ پہلے دو قولوں کی تضعیف فرمائی ہے اور تیسرے قول پر سکوت برتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہی قول صحیح ہے، اس لیے کہ اگر یہ باطل ہوتا تو پہلے دونوں اقوال کی طرح اس کی بھی تردید فرمادی جاتی۔ پھر ہماری اس طرف رہنمائی کی گئی ہے کہ اصحابِ کہف کی تعداد کا جاننا بے فائدہ ہے اور ایسے موقع پر ہمیں صرف یہ کہہ دینا مناسب ہے:

﴿قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِہِمْ﴾ [''کہہ دو، میرا رب ان کی تعداد خوب جانتا ہے'']

اس آیت نے ہمیں یہ بھی تعلیم دی کہ جب کسی مختلف فیہ واقعہ کا تذکرہ کرو تو اسی جگہ تمام اقوال کا بھی تذکرہ کر کے صحیح قول کی طرف اشارہ کر دو تا کہ بحث طوالت نہ پکڑے اور لوگ بے فائدہ قیل وقال میں پڑ کر اہم مسائل سے غافل نہ ہو جائیں۔

جب کسی مسئلہ میں آدمی اختلاف کا تذکرہ کرتا ہے اور لوگوں کے تمام اقوال جمع نہیں کرتا تو کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے، کیونکہ ممکن ہے وہی قول حق ہو جسے چھوڑ دیا گیا ہے۔ اسی طرح اختلاف کا ذکر کر کے اگر صحیح قول کو بیان نہیں کرتا تو پھر بھی وہ کوتاہی کا شکار ہوتا ہے۔ اور اگر عمداً غیر صحیح کو صحیح بتاتا ہے تو جھوٹ جیسے گناہ کا مرتکب ٹھہرتا ہے اور اگر وہ اپنی جہالت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے تو پھر بھی یہ اس کی غلطی ہے۔ اسی طرح جو شخص طویل اختلاف کا ذکر کرتا ہے یا ایسے بہت سے اقوال نقل کرنے بیٹھ جاتا ہے جو معنی کے لحاظ سے ایک دو قول ہی ہوتے ہیں، تو ظاہر ہے وہ اپنا وقت ضائع کرتا ہے اور جو کوئی غیر صحیح اقوال جمع کرتا ہے، وہ دغابازی کا مرتکب ٹھہرتا ہے۔

تفسیر بالرائے حرام ہے:

قرآن مجید کی تفسیر (قرآن، حدیث، اَقوال صحابہ وتابعین وغیرہ سے قطع نظر ہوکر) محض رائے سے کرنا حرام ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص بغیر علم کے قرآن کے بارے گفتگو کرتا ہے، وہ اپنے لیے جہنم میں ٹھکانا بنالے۔'' یہی روایت اُور اسناد سے بھی مروی ہے۔ انہی روایات کی بنیاد پر اہل علم نے کہا ہے کہ صحابہ کرامؓ اس بارے بڑے سخت تھے کہ کوئی شخص بغیر علم کے قرآن کی تفسیر کرنے بیٹھ جائے۔ حضرت مجاہد، حضرت قتادہؒ وغیرہ نے بے شک تفسیریں کی ہیں مگر ان کے بارے یہ گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ انہوں نے بغیر علم کے یا محض اپنی رائے سے تفسیر کردی ہے۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے کہ جو شخص محض اپنی رائے اور خیال سے قرآن کی تفسیر کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے، وہ ایک ایسی ذمہ داری اپنے سر لے لیتا ہے جس کا اسے کوئی علم نہیں اور وہ ایسی راہ پر چل نکلتا ہے جس کا اسے حکم نہیں دیا گیا۔ اب اگر وہ کوئی تفسیر صحیح بھی کر جاتا ہے تو پھر بھی غلطی ہی میں پڑا رہتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد ہی غلط ہے۔

سلف صالحینؒ سے مروی روایات وآثارِ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بغیر علم کے (محض رائے سے) تفسیر قرآن میں دخل نہیں دیتے تھے۔ لیکن جس شخص کو شریعت اور لغت کے اعتبار سے علم حاصل ہو، اس کے لیے (رائے سے) تفسیر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین سے بھی ایسی تفسیریں روایت ہوئی ہیں اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ وہ اس وقت رائے سے بات کرتے تھے جب اُنہیں اس کا علم ہوتا تھا اور جس کا علم نہیں ہوتا تھا، اس پر وہ سکوت کر لیتے تھے اور یہی سب پر واجب ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ جس طرح غیر معلوم چیز پر سکوت واجب ہے، اسی طرح علم ہونے کی صورت میں سوال ہونے پر جواب دینا بھی واجب ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

﴿لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ﴾[سورة آل عمران:۱۸۷]

''چاہیے کہ تم لوگوں کے لیے یہ (قرآن) واضح کرو اور اسے چھپاؤ نہیں۔''

......☆......

باب ۴:

قرآن پر عمل

عمل بالقرآن اور اس کی ضرورت واہمیت:

ایک انسان کا قرآنِ مجید کے ساتھ چوتھا تعلق یہ ہے کہ وہ قرآنِ مجید کی تعلیمات پر عمل کرے۔قرآنِ مجید پر ایمان لانا،اسے پڑھنا اور اس کے پیغام کو سمجھنے کی کوشش کرنا،یہ تمام مراحل اس لیے ہیں کہ قرآنی پیغام اور اس میں دیے گئے اَحکام وہدایات پر عمل کیا جائے۔اگر کوئی شخص قرآنی اَحکام پر عمل نہیں کرتا تو اس کا قرآن پر ایمان لانا یا بلا ناغہ اس کی تلاوت کرنا،اسے کچھ فائدہ نہ دے گا۔اگر اسے قرآن کے اَحکام سے آگاہی نہیں تو اسے چاہیے کہ وہ ترجمہ وتفسیر کے ذریعے اس کے اَحکام کو سمجھنے کی کوشش کرے اور اگر وہ قرآنی اَحکام کو سمجھتا ہے مگر اس کے باوجود اپنی زندگی قرآن کے تابع نہیں کر دیتا تو یہ اس کے لیے انتہائی بدبختی کی بات ہے۔

وہ لوگ جو خدائی اَحکام کا علم رکھنے کے باوجود اس پر عمل نہیں کرتے ،قرآن مجید انہیں سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہے اور انہیں اس گدھے کی مانند قرار دیتا ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہو مگر وہ گدھا ہونے کی وجہ سے اپنے اوپر لدی کتابوں کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾[سورة الجمعة:٥]

''جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا،ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہو۔اللہ کی باتوں کو جھٹلانے والوں کی بڑی بری مثال ہے اور اللہ (ایسی) ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔''

قرآنی اَحکام پر عمل نہ کرنے والوں کی سزا:

جو مسلمان قرآنِ مجید کے اَحکام پر عمل نہیں کرتے ، نبی کریم ﷺ نے بھی انہیں نہایت ناپسند کیا ہے اور ان

کے لیے سخت عذاب کا ذکر کیا ہے، بطور مثال چند اَحادیث ملاحظہ فرمائیں:

(۱) : ((عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍؓ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا صَلّٰى صَلَاةً اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ: مَنْ رَآى مِنْكُمُ اللَّيْلَةَ رُؤْيَا؟ قَالَ: فَاِنْ رَآى اَحَدٌ قَصَّهَا فَيَقُوْلُ مَا شَآءَ اللّٰهُ ، فَسَأَلَنَا يَوْمًا فَقَالَ : هَلْ رَآى اَحَدٌ مِّنْكُمْ رُؤْيَا؟ قُلْنَا: لَا، قَالَ: لٰكِنِّيْ رَأَيْتُ اللَّيْلَةَ رَجُلَيْنِ اَتَيَانِيْ فَأَخَذَا بِيَدِيْ فَأَخْرَجَانِيْ اِلَى الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ ...... فَانْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا عَلٰى رَجُلٍ مُضْطَجِعٍ عَلٰى قَفَاهُ وَرَجُلٌ قَائِمٌ عَلٰى رَأْسِهٖ بِفِهْرٍ اَوْصَخْرَةٍ فَيَشْدَخُ بِهٖ رَأْسَهٗ وَعَادَ رَأْسُهٗ كَمَا هُوَ فَعَادَ اِلَيْهِ فَضَرَبَهٗ قُلْتُ مَنْ هٰذَا؟ قَالَا:...... وَالَّذِيْ رَأَيْتَهٗ يُشْدَخُ رَأْسُهٗ فَرَجُلٌ عَلَّمَهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَنَامَ عَنْهُ بِاللَّيْلِ وَلَمْ يَعْمَلْ فِيْهِ بِالنَّهَارِ يُفْعَلُ بِهٖ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ))

"حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نماز فجر پڑھنے کے بعد (عموماً) ہماری طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے اور پوچھتے کہ آج رات کسی نے کوئی خواب دیکھا ہو تو بیان کرے۔ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے خواب دیکھا ہوتا تو وہ آپؐ کے سامنے اسے بیان کر دیتا اور آپؐ اس کی وہ تعبیر فرماتے جو اللہ کو منظور ہوتی۔ ایک دن آپؐ نے حسب معمول ہم سے پوچھا کہ آج رات کسی نے خواب دیکھا ہے؟ ہم نے عرض کیا نہیں، تو آپؐ نے فرمایا کہ آج میں نے خواب میں دیکھا کہ دو آدمی میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ پکڑ کر وہ مجھے ارضِ مقدسہ کی طرف لے گئے۔ (اور وہاں سے مجھے عالم بالا کی سیر کرائی)...... ہم ایک شخص کے پاس آئے جو سر کے بل لیٹا ہوا تھا اور دوسرا شخص ایک بہت بڑا پتھر لیے اس کے سر پر کھڑا تھا۔ اس پتھر سے وہ لیٹے ہوئے شخص کے سر کو کچلتا، چنانچہ جب وہ اس کے سر پر پتھر مارتا تو وہ پتھر اس کے سر پر لگنے کے بعد دور جا گرتا اور وہ آدمی پھر اس پتھر کو اٹھا لاتا۔ ابھی وہ پتھر لے کر واپس نہیں آتا تھا کہ اس کا سر پھر پہلے کی طرح درست ہو جاتا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟...... انہوں نے کہا: یہ شخص جسے تم نے دیکھا کہ اس کا سر پتھر کے ساتھ کچلا جا رہا ہے، یہ ایک ایسا شخص تھا جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا مگر وہ رات کو سویا رہتا اور دن کو بھی قرآن پر عمل نہ کرتا۔ اسے تا قیامت اسی طرح یہ عذاب ہوتا رہے گا۔"[۱]

(۲) : عن انسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: اَتَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ عَلٰى قَوْمٍ تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ

(۱) [صحیح بخاری ، کتاب الجنائز (باب ۹۳۔ ح۱۳۸۶)]

بِمَقَارِيْضَ مِنْ نَّارٍ كُلَّمَاقُرِضَتْ وَفَتْ فَقُلْتُ يَاجِبْرِيْلُ! مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ قَالَ: خُطَبَاءُ أُمَّتِكَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ مَالَايَفْعَلُوْنَ وَيَقْرَءُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ وَلَايَعْمَلُوْنَ بِهِ))

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: معراج کی رات میرا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے ہیں اور جب وہ کاٹے جاتے ہیں تو دوبارہ صحیح ہوجاتے ہیں (ان کے ساتھ مسلسل ایسا ہورہا ہے) میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ آپ کی امت کے وہ خطیب ہیں جو ایسی باتیں کرتے جن پران کا عمل نہیں تھا اور جو اللہ کی کتاب (قرآن) پڑھتے تھے مگر اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔''(۱)

(۳) : عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ: إِنَّ أَوَّلَ النَّاسِ يُقْضٰى عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ تَعَلَّمَ عِلْمًا وَعَلَّمَهُ وَقَرَءَ الْقُرْآنَ فَأُتِيَ بِهِ فَعَرَّفَهُ نِعَمَهُ فَعَرَفَهَا، قَالَ: فَمَاعَمِلْتَ فِيْهَا؟ قَالَ: تَعَلَّمْتُ الْعِلْمَ وَعَلَّمْتُهُ وَقَرَأْتُ فِيْكَ الْقُرْآنَ، قَالَ: كَذَبْتَ وَلٰكِنَّكَ تَعَلَّمْتَ الْعِلْمَ لِيُقَالَ عَالِمٌ وَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ لِيُقَالَ هُوَقَارِئٌ فَقَدْ قِيْلَ ثُمَّ أُمِرَ بِهِ فَسُحِبَ عَلٰى وَجْهِهِ حَتّٰى أُلْقِيَ فِي النَّارِ))

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا: روزِ قیامت سب سے پہلے جس شخص سے حساب لیا جائے گا، وہ ایک ایسا شخص ہوگا جس نے خود بھی علم سیکھا اور دوسروں کو بھی سکھایا، اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں گنوائے گا اور وہ ان نعمتوں کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا کہ بتا، ان نعمتوں کا حق ادا کرنے کے لیے تو نے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا کہ میں نے علم حاصل کیا اور آگے لوگوں کو سکھایا اور میں نے تیری رضا کی خاطر قرآن مجید پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹ بولتا ہے، کیونکہ تو نے اس لیے علم حاصل کیا کہ تجھے (دنیا میں) عالم کہا جائے اور تو نے اس لیے قرآن پڑھا کہ تجھے قاری کہا جائے اور یہ سب تجھے (دنیا میں) کہا گیا۔ پھر حکم دیا جائے گا اور اس شخص کو منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔''(۲)

(٤) : ((عن ابی سعيدؓ يقول قال رسول اللهﷺ...... إِنَّهُ يَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِئِيْ هٰذَا قَوْمٌ يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللّٰهِ رَطْبًا لَايُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ))

(۱) [صحيح الجامع الصغير للالبانیؒ (ح۱۲۸)] (۲) [مختصر صحيح مسلم للالبانیؒ (ح۱۰۸۹)]

''حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے (ایک منافق کے بارے) ارشاد فرمایا: اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی کتاب کو خوب سُر اور خوش اِلحانی سے پڑھیں گے مگر قرآن مجید ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ یہ دین سے اس طرح نکل چکے ہوں گے جس طرح تیر شکار سے پار نکل جاتا ہے۔''(۱)

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے قرآنی اَحکام پر عمل نہ کرنے والوں کو گویا منافق قرار دیا ہے۔ یہی بات درج ذیل حدیث میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

(۵) : ((عن عبداللہ بن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ: اَکْثَرُ مُنَافِقِیْ اُمَّتِیْ قُرَّاؤُھَا))

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے بیشتر منافق، قاری قرآن ہوں گے۔''(۲) یعنی قرآن پڑھنے اور پڑھانے والے۔

تلاوتِ قرآن کا اَجر بھی اسے ملے گا جو قرآن پر عمل کرے:

بہت سی اَحادیث میں قرآن مجید کی تلاوت پر بے انتہا اجر و ثواب اور فضیلت بیان ہوئی ہے جس کے پیش نظر ایک مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کا اہتمام تو ضرور کر لیتا ہے مگر قرآن کی زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے وہ اس میں دیے گئے احکام وہدایات سمجھنے سے قاصر رہتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تلاوتِ قرآن کا بھی بہت اجر و ثواب اور اہمیت ہے مگر اصل اہمیت اس بات کو حاصل ہے کہ قرآن مجید کے اَحکام پر پورا پورا عمل کیا جائے۔ تلاوتِ قرآن کا اجر و ثواب بھی اسے ہی ملے گا جو قرآنی احکام پر بھی عمل کرتا ہے مگر جو قرآن پر عمل نہیں کرتا، اسے نہ قرآن کی تلاوت کا کوئی فائدہ ہے اور نہ اسے حفظ کرنے کا۔ درج ذیل اَحادیث سے یہی بات معلوم ہوتی ہے:

(۱) : ((عن ابی موسیٰ عن النبی ﷺ: اَلْمُؤْمِنُ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَیَعْمَلُ بِہٖ کَالْاُتْرُجَّۃِ طَعْمُھَا طَیِّبٌ وَرِیْحُھَا طَیِّبٌ وَالْمُؤْمِنُ الَّذِیْ لَا یَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَیَعْمَلُ بِہٖ کَالتَّمْرَۃِ))

''حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو مومن قرآن پڑھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے، اس کی مثال سنگترے کی سی ہے کہ جس کی خوشبو بھی عمدہ ہے

---

(۱) [صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب بعث علی بن ابی طالب ...... (ح۴۳۵۱)]

(۲) [صحیح الجامع الصغیر (ح۱۲۱۴)]

اور ذائقہ بھی عمدہ اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا لیکن اس پر عمل کرتا ہے اس کی مثال چھوہارے (خشک کھجور) کی سی ہے کہ جس کی خوشبو تو نہیں ہوتی مگر ذائقہ لذیذ ہوتا ہے۔"[1]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کا اصل فائدہ تب ہے جب قرآنی اَحکام پر عمل بھی کیا جائے، بلکہ عمل کی اہمیت تلاوت سے بڑھ کر ہے، اس لیے کہ بغیر عمل کے تلاوت کا کچھ فائدہ نہیں مگر عمل کا فائدہ تلاوت کے بغیر بھی ثابت ہے۔

(۲)......((عن النواس بن سمعان قال سمعت النبی ﷺ یقول: یُؤتٰی بِالْقُرْآنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاَھْلِہِ الَّذِیْنَ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ بِہٖ تَقْدُمُہٗ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ وَآلُ عِمْرَانَ ...... کَاَنَّھُمَا غَمَامَتَانِ اَوْظُلَّتَانِ سَوْدَاوَانِ بَیْنَھُمَا شَرْقٌ اَوْکَاَنَّھُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَیْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِھِمَا))

"حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے روز قرآن مجید اور وہ لوگ جو اس کے مطابق عمل کیا کرتے تھے، لائے جائیں گے اور ان کے آگے آگے سورۂ بقرہ اور آل عمران ہوں گی۔ اس طرح کہ گویا وہ دو بادل ہیں یا دو سائبان ہیں جن کے اندر چمک اور روشنی ہے یا وہ پرندوں کے دو جھنڈ ہیں جو اپنے پر پھیلائے ہوئے ہیں۔ یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والوں کے حق میں حجت پیش کریں گی۔"[2]

اس حدیث میں بھی یہی وضاحت ہے کہ قیامت کے روز قرآن مجید ان لوگوں کے حق میں نور، رحمت اور گواہ بن کر آئے گا جو اس کے مطابق عمل کیا کرتے تھے۔

(۳) : حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ فرمایا: "اللہ کے گھروں (مسجدوں) میں سے جس کسی گھر میں کچھ لوگ جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے اور ایک دوسرے کو پڑھتے پڑھاتے ہیں، وہاں (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) سکینت نازل ہوتی ہے اور انہیں اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان کے گرد گھیرا ڈال لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر ان (فرشتوں) کے پاس کرتے ہیں جو اللہ کے ہاں موجود ہیں۔ (اور سنو!) جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے رکھا، اسے اس کا حسب ونسب آگے نہیں بڑھا سکے گا۔"[3]

(۱) [صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب البکاء عند قرأۃ القرآن (ح ۵۰۵۹)]
(۲) [صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل قرآۃ القرآن و سورۃ البقرۃ (ح ۸۰۵)]
(۳) [صحیح مسلم: کتاب الذکر والدعاء: باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن وعلی الذکر (ح ۲۶۹۹)]

اس حدیث میں قرآن مجید پڑھنے پڑھانے کی فضیلت کے ساتھ اس طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ اللہ کے ہاں معیارِ فضیلت نیک اعمال کی کثرت ہے۔ اگر کوئی شخص قرآن مجید پڑھنے پڑھانے کے باوجود اس پر عمل نہیں کرتا تو پھر اس کی تلاوت یا اس کا حسب ونسب یا مال ودولت وغیرہ اللہ کے ہاں اس کی قدر و منزلت نہیں بڑھا سکتے۔

(٤) : ((عن جابر قال قال رسول الله ﷺ :اَلْقُرْآنُ شَافِعٌ مُشَفَّعٌ وَمَاحِلٌ مُصَدَّقٌ مَنْ جَعَلَهُ اَمَامَهُ قَادَهُ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَنْ جَعَلَهُ خَلْفَ ظَهْرِهِ سَاقَهُ اِلَى النَّارِ))[(١)]

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: قرآنِ مجید (روزِ قیامت اپنے پڑھنے والوں کی) سفارش کرے گا اور اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔ اور (اپنے پڑھنے والے کے حق میں) یہ جھگڑا کرے گا اور اس کی بات مانی جائے گی۔ جس نے اس قرآن کو اپنا راہبر و رہنما بنا لیا، اسے یہ جنت میں لے جائے گا اور جس نے اسے پس پشت ڈال دیا، اسے یہ جہنم میں لے جائے گا۔''

قرآن پر عمل اور ہماری صورتحال:

نہایت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہم قرآن مجید کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ قرآن پر عمل ہماری زندگیوں سے غائب ہے۔ ہم نے قرآن مجید کو محض دم درود، تعویذ گنڈے اور ایصالِ ثواب کی کتاب سمجھ رکھا ہے۔ آفات وبلیات اور نزع کی سختیاں دور کرنا مقصود ہو یا میت کی بخشش اور اسے ثواب پہنچانا مطلوب ہو، ہم چند ٹکے دے کر دوسروں سے قرآن پڑھوا لیتے ہیں جب کہ انفرادی واجتماعی زندگی میں وہ تبدیلی جس کا قرآن مجید اصلاً ہم سے مطالبہ کرتا ہے، پیدا کرنے کے لیے تیار نہیں......!

ہماری گھریلو (خانگی) زندگی قرآنی اَحکام سے یکسر خالی ہے، تجارت ومعیشت میں ہم قرآنی احکام کو نظر انداز کیے ہوئے ہیں، ہماری سیاست قرآنی اصولوں کی دھجیاں بکھیر رہی ہے، ہماری تعلیمی پالیسیوں میں قرآن سے استفادہ نہیں کیا جا رہا، ہمارا رہن سہن اور طرزِ معاشرت قرآن کے مطابق نہیں رہا۔ گویا قرآن مجید کی موجودگی کے باوجود ہم اس سے فیض اٹھانے سے محروم ہیں۔ یہ ہماری بدبختی ہے کہ ہم نے قرآن مجید کو اپنی عملی زندگی سے خارج کر رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج ہم دنیا میں ذلت ورسوائی اور تنزل وپستی کا شکار ہو چکے ہیں۔

---

(١) [صحیح ابن حبان (ج ١ ص ٣٣١)]

حضور نبی کریم ﷺ نے سچ فرمایا تھا:

((إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ))

''اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعے بعض لوگوں کو بلندی عطا کرتے ہیں اور اسی کے ذریعے بعض لوگوں کو ذلت اور پستی میں دھکیل دیتے ہیں۔''(۱)

جو لوگ اس قرآن کو انفرادی واجتماعی ہر لحاظ سے کتاب ہدایت سمجھتے ہوئے اسے اپنی زندگیوں میں نافذ کر لیں، اسے اپنا ہادی ورہنما قرار دے لیں، اس کے اَحکام وتعلیمات کی روشنی سے اپنے معاشرے منور کر لیں تو یقیناً انہیں اس قرآن پر عمل کی برکت سے اللہ تعالیٰ عزت وبلندی عطا فرمائیں گے اور جو لوگ ایسا نہیں کریں گے، انہیں دنیا وآخرت ہر جگہ ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

قرآن مجید میں چند ایسے بدنصیبوں کا ذکر ہے جو قرآنی اَحکام سے روگردانی کرتے رہے اور روزِ قیامت جب انہیں عذاب دیا جائے گا تو وہ حسرت کے ساتھ کہیں گے کاش! ہم نبی کی بات مانتے اور اس کے راستے پر چلتے۔ نبی کریم ﷺ بھی ان کے خلاف اللہ کی عدالت میں یہ استغاثہ دائر کریں گے کہ یا اللہ! ان لوگوں نے قرآن مجید کو چھوڑ دیا تھا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا لَقَدْ أَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَآءَنِيْ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُوْلًا وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُوْرًا﴾[سورة الفرقان:۲۷تا۳۰]

''اور اس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا: ''ہائے کاش! میں نے اللہ کے رسولؐ کی راہ اختیار کی ہوتی، ہائے افسوس! کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا، اس نے تو مجھے گمراہ کر دیا کہ نصیحت میرے پاس آ پہنچی تھی اور شیطان تو انسان کو (وقت پر) دغا دینے والا ہے۔'' اور رسولؐ کہے گا: ''اے میرے پروردگار! بے شک میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔''

یہی نہیں بلکہ خود قرآن بھی ایسے لوگوں کے خلاف گواہ بن کر کھڑا ہوگا جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہے:

(۱) : ((عن ابی مالك الاشعریؓ قال قال رسول الله ﷺ: اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْعَلَيْكَ))(۲)

(۱) [صحیح مسلم، کتاب صلوة المسافرین، باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمه(ح۸۱۷)]

(۲) [صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب فضل الوضوء (ح ۲۲۳) احمد (ج ۵ ص ۳۴۲)]

''حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: قرآنِ مجید (روزِ قیامت) تمہارے حق میں گواہی دے گا یا پھر تمہارے خلاف گواہی دے گا۔''

مطلب یہ کہ اگر تم قرآن مجید سے محبت رکھو گے، اسے پڑھو گے، اس کی تعلیمات پر عمل کرو گے تو روزِ قیامت یہ تمہارے حق میں گواہ بن جائے گا اور اللہ کے دربار میں تمہاری سفارش کرے گا اور اگر تم اس سے اعراض کرو گے اور اس کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل چھوڑ دو گے تو روزِ قیامت یہ تمہارے خلاف اللہ کی عدالت میں گواہ بن کر پیش ہو گا۔

ایک چھوٹی سی مثال:

قرآن مجید سے ہماری بے رغبتی کا حال کیا ہے، اس کا اندازہ اس چھوٹی سی مثال سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ مجھے لاہور کے ایک پبلشر نے بتایا کہ ''ایک روز خلاف معمول میں گھر سے جلدی دکان پر چلا گیا۔ صبح ہی صبح ایک ضعیف العمر شخص میری دکان پر آیا اور کہنے لگا چھوٹے سائز میں سب سے سستا قرآن مجید دکھاؤ۔ میں نے چھوٹے سائز کے کئی نسخے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیے اور ساتھ ہی ان کی قیمت بھی بتا دی۔ اس نے ان میں سے سب سے کم قیمت والا نسخہ اٹھایا اور اسے کھول کر ورق گردانی کرنے لگا۔ اسی دوران اس نے کسی شخص کا نام لے کر اسے برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور گالی نکالتے ہوئے کہنے لگا: اب میں دیکھوں گا کہ وہ یہ مقدمہ کیسے جیتے گا۔ میں نے دیکھا کہ اس نے قرآن مجید بھی الٹا پکڑ رکھا تھا، چنانچہ میں نے یہ کہتے ہوئے قرآن مجید کا وہ نسخہ اس کے ہاتھ سے واپس کھینچ لیا کہ بابا! یہ اللہ کی کتاب ہے اور تم اسے ہاتھ میں پکڑ کر گندی گالیاں بک رہے ہو۔''

اندازہ کیجیے کہ نہ ہمیں قرآن مجید پڑھنے آتا ہے اور نہ اس کے آداب کا کچھ خیال ہے اور جھوٹی گواہی دینے یا جھوٹی قسم کھانے کے لیے ہم بلا سوچے سمجھے اسے اٹھا لیتے ہیں......!!

اللہ کے رسول ﷺ کا قرآن مجید پر عمل:

قرآن مجید جبریل امینؑ کے ذریعے نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا اور آپ ﷺ قرآن مجید کے ہر حکم پر سب سے پہلے خود عمل کرتے۔ قرآن مجید پر آپ ﷺ کے عمل کی نوعیت ایسی تھی کہ جب سعد بن ہشام بن عامرؒ نامی ایک تابعی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر یہ سوال کیا کہ ''مجھے اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق و کردار

کے بارے میں بتایئے؟" تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہنا پڑا کہ "کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟" اس نے کہا: کیوں نہیں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

((فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللهِ كَانَ الْقُرْآنَ))

"قرآن مجید ہی تو اللہ کے نبی ﷺ کا اخلاق تھا۔"(۱)

مطلب یہ کہ جو کچھ قرآن مجید میں کہا گیا، وہ سب اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں دکھائی دیتا تھا کیونکہ آپ صرف زبانی طور پر قرآن مجید کی تعلیم دینے ہی نہیں آئے تھے بلکہ امت کے لیے ایک عملی نمونہ بنا کر بھی بھیجے گئے تھے۔ اس لیے قرآن مجید میں جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا، آپ خود سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر ان پر عمل کرتے۔ جن کاموں سے بچنے کا حکم دیا گیا، آپ خود سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ان سے اجتناب فرماتے۔ جن صفاتِ حسنہ کو اپنانے کا حکم دیا گیا، آپ سب سے پہلے اپنے آپ کو ان سے متصف فرماتے۔ جن اخلاقِ سیئہ سے اجتناب کرنے کا حکم دیا گیا، آپ خود سب سے پہلے ان سے اجتناب فرماتے اور دوسروں کے لیے بھی انہیں ناپسند فرماتے۔

قرآن مجید کے بہت سے احکام ایسے ہیں کہ جب تک ان کے بارے یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں کیسے سمجھا اور ان پر کیسے عمل کیا، تب تک ہم بھی انہیں نہ صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی منشاءِ خداوندی کے مطابق ان پر عمل کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے قرآن فہمی کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت کا مطالعہ بھی ضروری ہے تاکہ آپ کے اقوال و افعال کی روشنی میں قرآنی احکام کو سمجھا جا سکے۔ آئندہ سطور میں اس سلسلہ میں چند مثالیں اور عملی نمونے ذکر کیے جا رہے ہیں:

پہلی مثال:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بار بار اپنی عبادت کا حکم دیا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾[سورۃ الزمر:٦٦]

"بلکہ اللہ ہی کی عبادت کیجیے اور شکر گزاروں میں سے ہو جایئے۔"

عبادت کے بارے میں ایک طرف یہ قرآن مجید کا عمومی حکم ہے، ادھر نبی کریم ﷺ کی سیرت کا ہم

(۱) [صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب جامع صلاة الليل......(ح٧٤٦)]

مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ فرض عبادت کے علاوہ نفل عبادت کا بھی اس قدر اہتمام فرماتے کہ آپؐ کے پاؤں مبارک سوج جاتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم آپؐ سے کہتے کہ اے اللہ کے رسول! جب اللہ نے آپؐ کے اگلی پچھلی سارے لغزشیں معاف فرمادی ہیں تو پھر آپ اتنا تکلف اور اتنی مشقت کیوں فرماتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا ﴾

''(جب اللہ نے مجھ پر اتنا انعام واکرام کیا ہے) تو کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ بن کر نہ دکھاؤں۔''(۱)

دوسری مثال:

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بار ہا اپنی حمد وتسبیح کا حکم دیا مثلاً ارشاد ہوتا ہے:

﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴾ [سورة الحجر:۹۸]

''پس اپنے رب کی حمد بیان کرو اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔''

اس قرآنی حکم کے بعد جب ہم نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اٹھتے بیٹھے، سوتے جاگتے، کھاتے پیتے غرضیکہ ہر وقت اللہ کی حمد وثنا کرتے اور لمحہ بھر کے لیے بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوتے۔ آپ کی رفیقۂ حیات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کا صحیح نقشہ کھینچا ہے، آپؓ فرماتی ہیں کہ

((كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَذْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ اَحْيَانِهٖ))

''اللہ کے رسول ﷺ ہر وقت اللہ کے ذکر میں مصروف رہتے تھے۔''(۲)

اس قرآنی حکم پر عمل کرنے کی اس سے بڑھ کر مثال اور کیا ہو سکتی ہے......!

تیسری مثال:

قرآن مجید میں دین کی نشر واشاعت اور سربلندی کے لیے دعوت وتبلیغ اور جہاد وقتال کا بے شمار مواقع پر حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی اقامت دین میں صرف ہوئی۔ کبھی آپؐ مکہ کی وادیوں اور پہاڑوں میں تبلیغ دین میں مصروف نظر آتے ہیں، کبھی رختِ سفر باندھے مکہ کے اطراف

(۱) [صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب اکثار الاعمال (ح۲۸۱۹، ۲۸۲۰)]
(۲) [صحیح مسلم: کتاب الحیض: باب ذکر اللہ تعالیٰ فی حال الجنابة وغیرها (ح۳۷۳)]

واَکناف سے باہر دکھائی دیتے ہیں، کبھی خاندان کے لوگوں کو جمع کرکے انہیں دین کی باتیں بتا رہے ہیں، کبھی مسافروں، راہگیروں، اور حاجیوں کے قافلوں سے محوِ گفتگو ہیں اور جب اقامتِ دین کے لیے جہاد کا حکم آیا تو ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی پوری مدنی زندگی دشمنوں سے جہاد و قتال، غزوات و سرایا اور جنگی مہمات میں صرف ہورہی ہے......!!

چوتھی مثال:

قرآن مجید میں عدل وانصاف کا حکم دیا گیا ہے اور یہاں تک کہا گیا ہے کہ اپنے دشمنوں سے بھی انصاف کرو مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ [سورة المائدة:٨]

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کی خاطر انصاف پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ تم انصاف سے پھر جاؤ۔ عدل کرو، یہ تقویٰ (اللہ تعالیٰ سے ڈرنے) کے بہت قریب ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو، جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔''

جب ہم نبی کریم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ کے عدل وانصاف سے متاثر ہو کر دشمن بھی حیران وششدر رہ گئے۔ ایک موقع پر ایک بڑے اور معزز خاندان کی عورت چوری کے جرم میں پکڑی گئی چنانچہ بطورِ سزا آپؐ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کردیا مگر اس خاندان کے لوگوں نے اسے اپنے خاندان کی توہین سمجھا اور کوشش کی کہ کسی طرح سے یہ عورت سزا سے بچ جائے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ کے ایک محبوب صحابی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو آپؐ کی خدمت میں بھیجا تاکہ وہ آپؐ سے معافی کی سفارش کرے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ يَا أُسَامَةُ؟...... وَايْمُ اللّٰهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعَ مُحَمَّدٌ يَدَهَا))(۱)

(۱) [صحیح بخاری: کتاب الحدود: باب کراهية الشفاعة في الحد اذا رفع الى السلطان (ح ٦٧٨٨) صحیح مسلم: کتاب الحدود: باب قطع السارق الشريف وغيره (ح ١٦٨٨)]

''اے اسامہ! کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کر رہے ہو؟......اللہ کی قسم! اگر محمد (ﷺ) کی اپنی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی، تو محمدؐ اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''

عمل بالقرآن کی یہ کتنی بڑی مثال ہے۔ کیا آج کے دور میں ایسی مثال پیش کی جا سکتی ہے......؟!

پانچویں مثال:

قرآن مجید میں سچ بولنے اور جھوٹ سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴾[سورة الحج: ٣٠]

''جھوٹی باتوں سے اجتناب کرو۔''

جب ہم نبی کریم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو جھوٹ سے سخت نفرت تھی اور آپ کی سچائی کا یہ عالم تھا کہ دشمن بھی آپ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے، اس لیے کہ آپ نے کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں۔ جھوٹ اور سچ کے بارے میں آپ ﷺ ایک ارشاد ملاحظہ فرمائیں:

((إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ صِدِّيْقًا وَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِيْ إِلَى الْفُجُوْرِ وَإِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ إِلَى النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ كَذَّابًا))

''سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ آدمی ہمیشہ سچ بولتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ سچے لوگوں میں لکھ لیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ اور آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے جھوٹے لوگوں میں لکھ لیا جاتا ہے۔''(۱)

چھٹی مثال:

قرآن مجید میں عہد کی پابندی کا حکم دیا گیا اور عہد شکنی سے سخت منع کیا گیا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) : ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾[المائدة : ١]

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! معاہدوں کی پوری پابندی کرو۔''

---

(۱) [صحيح بخاري: كتاب الادب: باب قول الله تعالى: ياايها الذين امنوا اتقوا الله و كونوا مع الصدقين (ح ٦٠٩٤) صحيح مسلم: كتاب البر والصلة: باب قبح الكذب وحسن الصدق وفضله (ح ٦٢٠٧)]

(۲) : ﴿ وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡئُوۡلًا﴾[سورۃالنحل :۹۱]

''وعدہ (عہد و پیان) کی پابندی کرو۔ بے شک وعدہ کے بارے میں جواب دہی ہوگی۔''

(۳) : ﴿ وَاِنِ اسۡتَنۡصَرُوۡكُمۡ فِى الدِّيۡنِ فَعَلَيۡكُمُ النَّصۡرُ اِلَّا عَلٰى قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ ‌ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ﴾[سورۃ الانفال:۷]

''اگر وہ (مسلمان) تم سے دین میں مدد طلب کریں تو تم پر ان کی مدد کرنا لازم ہے، سوائے ان لوگوں کے مقابلے میں کہ تم میں اور ان میں کوئی عہد ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے اللہ دیکھنے والا ہے۔''

ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ وعدے کی پابندی کے سلسلہ میں بڑی احتیاط سے کام لیتے تھے مثلاً صلح حدیبیہ کے موقع پر کفارِ قریش اور مسلمانوں کے درمیان طے ہونے والی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر مکہ سے کوئی شخص بھاگ کر مسلمانوں کے پاس مدینہ چلا جائے گا تو مسلمان اسے واپس کرنے کے پابند ہوں گے لیکن اگر مسلمانوں کا کوئی شخص بھاگ کر مکہ آ جائے گا تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ یہ معاہدۂ صلحِ حدیبیہ ابھی لکھا ہی جا رہا تھا کہ ابو جندل بن سہیل بیڑیاں گھسیٹتے مسلمانوں کے پاس آ پہنچے مگر کفار کے سفیر سہیل نے ابو جندل کی واپسی کا مطالبہ کر دیا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ابھی تو ہم نے معاہدہ لکھا ہی نہیں پھر واپسی کا مطالبہ کیوں؟ مگر سہیل اسی پر مصر رہے کہ ابو جندل واپس کیا جائے گا تو صلح کا معاہدہ ہوگا۔ آنحضرت ﷺ نے مجبوراً ابو جندل کی واپسی کا فیصلہ کر لیا تو ابو جندل کہنے لگے: مسلمانو! تم مجھے ان مشرکوں کی طرف واپس کر رہے ہو جو مجھے میرے دین کے متعلق فتنہ میں ڈال دیں گے؟ مگر آنحضرت ﷺ نے انہیں واپس کرتے ہوئے فرمایا:

((اِصۡبِرۡ وَاحۡتَسِبۡ فَاِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ لَّكَ وَلِمَنۡ مَّعَكَ مِنَ الۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ فَرَجًا وَّمَخۡرَجًا اِنَّا قَدۡ صَالَحۡنَا هٰؤُلَاءِ الۡقَوۡمَ وَجَرٰى بَيۡنَنَا وَبَيۡنَهُمُ الۡعَهۡدُ وَاِنَّا لَانَغۡدِرُ......))

''ابو جندل! صبر کرو اور ثواب کی امید رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اور تمہارے ساتھ دیگر کمزوروں کے لیے رہائی اور پناہ کی کوئی نہ کوئی صورت ضرور بنائے گا۔ ہم چونکہ ان لوگوں کے ساتھ معاہدہ صلح کر رہے ہیں اور ہمارے اور ان کے درمیان صلح کی گفت و شنید بھی ہو چکی ہے، اس لئے اب ہم غدر نہیں کر سکتے۔''[1]

(۱) [سیرت ابن ھشام (۴۴۲/۳)السنن الکبرٰی للبیھقی (۲۲۷/۹) مسند احمد (۳۲۵/۴)]

چنانچہ ابو جندل کو واپس کفار کی قید میں دے دیا گیا۔ اسی طرح اس معاہدہ کے بعد ایک اور صحابی یعنی ابو بصیر کفارِ مکہ کی قید سے بھاگ نکلے اور اللہ کے رسول ﷺ کے پاس مدینہ پہنچ گئے۔ پیچھے سے کفارِ مکہ کے دو آدمی انہیں واپس لے جانے کا مطالبہ لیے پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے وفائے عہد کا مظاہرہ کرتے ہوئے ابو بصیر کو ان کے سپرد کر دیا۔[1]

آپ ﷺ نے وعدہ خلافی کو اتنا ناپسند کیا کہ اسے نفاق کی علامت قرار دیا، چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:

((آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ :إِذَاحَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَاوَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ))

"منافق کی تین نشانیاں ہیں (۱) جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے (۲) جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے (۳) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔"[2]

ایک اور حدیث میں یہ وضاحت بھی ہے کہ:

((وَإِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ))

"(جس میں یہ علامتیں پائی جائیں، وہ منافق ہے) خواہ وہ روزے رکھے، نماز پڑھے اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھے!"[3]

ساتویں مثال:

قرآن مجید میں صدقہ و خیرات (انفاق فی سبیل اللہ) کی بڑی تلقین کی گئی ہے، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) : ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾[سورة البقرة : ۲٦۱]

"جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانا بویا جائے اور اس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اسی طرح اللہ جس کے عمل کو چاہتا ہے، بڑھوتی (اضافہ و برکت) عطا فرماتا ہے۔ وہ وسعت والا اور علم والا ہے۔"

---

(۱) [ابو بصیر کے واقعہ کے لیے ملاحظہ ہو: فتح الباری (۷/ ٤٤٠ تا ٤٥٧) ابن هشام (۳/ ٤٤٩) زادالمعاد (۲/ ۱۲٥) ابو داؤد کتاب الجهاد ،باب فی صلح العدو(۲۷٦۲)]

(۲) [صحیح بخاری ،کتاب الایمان ،باب علامات المنافق(ح ۳۳)صحیح مسلم ،کتاب الایمان ،باب خصال المنافق(ح ٥۹)]

(۳) [صحیح مسلم :ایضاً(ح ٥۹)]

(۲) : ﴿وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ﴾[سورة سبا: ۳۹]

''اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو، اس کی جگہ وہی تم کو اور دے دیتا ہے۔''

(۳) : ﴿وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ﴾[سورة البقرة:۲۷۲]

''اللہ کے رستے میں جو مال تم لوگ خرچ کرتے ہو، وہ تمہارے اپنے ہی بھلے کے لیے ہے، آخر تم اسی لیے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو جائے تو جو کچھ مال تم اللہ کے رستے میں خرچ کرو گے، اس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی ہرگز نہ ہوگی۔''

جب ہم نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ صدقہ وخیرات کے سلسلہ میں اتنے فیاض تھے کہ جو کچھ آتا، اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتے۔ چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''ایک مرتبہ آپؐ کے ہاں ایک بکری ذبح کی گئی اور آپؐ کے حکم سے لوگوں میں تقسیم کر دی گئی۔ نبی کریم ﷺ نے دریافت کیا کہ: ''باقی کیا بچا ہے؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''بازو کے علاوہ کچھ نہیں بچا۔'' (یعنی باقی ساری لوگوں میں تقسیم کر دی گئی ہے) تو آپؐ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ بازو کے علاوہ سب کچھ بچ گیا ہے۔''[۱]

مطلب یہ تھا کہ بازو کے علاوہ جو گوشت اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا گیا، وہی ہمارے لیے کار آمد ہے، اس لیے کہ اس کا اجر وثواب آخرت کے لیے محفوظ ہو گیا ہے۔ اور جو ہم کھالیں گے، اس کا ثواب آخرت میں نہیں ملے گا۔

صحابیِ رسول حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

((مَا سُئِلَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ شَيْئًا قَطُّ، فَقَالَ: لَا))

''رسول اللہ ﷺ سے جب بھی کسی نے کچھ مانگا تو آپ ﷺ نے انکار نہیں فرمایا۔''[۲]

یعنی اگر آپؐ کے پاس کچھ موجود ہوتا تو آپؐ مانگنے والے کو دینے سے انکار نہیں فرماتے تھے۔

(۱) [جامع ترمذی، کتاب صفة القيامة، باب قوله ﷺ فی الشاة (ح ۲٤۷۰)]

(۲) [صحيح بخاری، كتاب الادب، باب حسن الخلق والسخاء (٦٠٣٤) صحيح مسلم، كتاب الفضائل باب فی سخائه (۲۳۱۱)]

آپ ﷺ نے سخاوت کی بہترین اور اعلیٰ مثال قائم فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی و فیاض تھے اور حضرت جبریلؑ سے ملاقات کے وقت (یعنی رمضان کے مہینے میں) تو آپؐ اور بھی زیادہ سخاوت کرنے لگتے تھے۔''(۱)

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بقیع کے قبرستان کی طرف جا رہے تھے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ آپ سے جا ملے۔ راستے میں چلتے ہوئے آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

''یقیناً دنیا میں مال و دولت جمع کرنے والے قیامت کے دن تہی دست ہوں گے، سوائے ان لوگوں کے جو پوری فیاضی سے مناسب جگہوں پر خرچ کریں۔'' پھر اُحد پہاڑ دکھائی دیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے بوذر!'' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول! میں آپ پر قربان جاؤں، کیا ارشاد ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''مجھے یہ پسند نہیں کہ آلِ محمد (ﷺ) کے پاس اُحد پہاڑ جتنا سونا ہو اور شام ہونے تک ان کے پاس اس میں سے ایک دینار بھی بچ جائے۔''(۲)

صحابہ کرامؓ کا قرآن مجید پر عمل:

یہی صورتحال ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں بھی دکھائی دیتی ہے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے جہاں قرآن مجید سیکھا، وہاں اس پر عمل کرنے کی روایت بھی اَخذ کی۔ ذیل میں اس بارے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

۱)...... ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ ایک تابعی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ

((حَدَّثَنَا الَّذِيْنَ كَانُوْا يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ كَعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَؓ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ وَغَيْرِهِمَا أَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا تَعَلَّمُوْا مِنَ النَّبِيِّ ﷺ عَشْرَ آيَاتٍ لَمْ يَتَجَاوَزُوْهَا حَتّٰى يَعْلَمُوْا مَافِيْهَا مِنَ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ قَالُوْا: فَتَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ وَالْعِلْمَ وَالْعَمَلَ جَمِيْعًا))

''ہمیں ان لوگوں نے بیان کیا جو قرآن پڑھتے پڑھاتے تھے مثلاً حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ،

(۱) [صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب صفة النبیؐ (ح ۳۵۵٤) صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب جودهؐ (ح ۲۳۰۸)]

(۲) [صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب من اجاب بلبیك وسعدیك (ح ٦٢٦٨) صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب الترغیب فی الصلاة (ح ۹٤۲۳)]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ کہ ان لوگوں کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جب اللہ کے رسول ﷺ سے وہ دس آیتیں بھی پڑھتے تو اس وقت تک اس سے آگے نہ بڑھتے جب تک کہ ان آیات میں موجود علم وعمل کو پوری طرح اپنا نہ لیتے۔ اور وہ کہا کرتے تھے کہ ہم نے قرآن مجید اور اس کے علم وعمل، سب کو ایک ساتھ حاصل کیا ہے۔"(۱)

۲)......حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی شخص جب قرآن مجید کی دس آیات سیکھتا تو اس وقت تک اس سے آگے قدم نہ اٹھاتا تھا، جب تک وہ یہ نہیں جان لیتا کہ ان کا معنی و مفہوم کیا ہے اور ان میں کن چیزوں پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔(۲)

۳)......حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "جب ہم میں سے کوئی شخص سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھ جاتا تو ہماری نگاہوں میں اس کا رتبہ بہت بلند ہو جاتا۔"(۳)

یہاں ان سورتوں کو محض پڑھنا مراد نہیں بلکہ ان میں موجود احکام کا علم حاصل کرنا بھی اس میں شامل ہے اور انہیں پڑھنے والے کا رتبہ اسی لیے بلند ہو جاتا کہ وہ ان میں موجود احکام سے آگاہ ہونے کی وجہ سے ان پر عمل کرنے میں آگے نکل جاتا۔

۴)......حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایک خالہ زاد بھائی تھے جن کا نام مِسْطَحْ تھا، ان کی غربت و ناداری کی وجہ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی خوشی سے ان کی معاشی کفالت کا ذمہ اٹھا رکھا تھا۔ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر منافقین نے ایک تہمت لگائی تو کئی مخلص مسلمان بھی ان کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے۔ حضرت مِسْطَحْ بھی انہی میں تھے۔ بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بے گناہی پر قرآن مجید کی آیات نازل فرمادیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غصے میں آکر یہ قسم کھالی کہ اب وہ مِسْطَحْ کی کسی قسم کی مالی مدد نہیں کریں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي

(۱) [تفسیر طبری (ج۱ ص۶۰) ابن ابی شیبہ (ج۱۱۷۱۶) بحوالہ: الاتقان فی علوم القرآن (ج۲ ص۴۳۷)]

(۲) [تفسیر طبری، ایضاً]

(۳) [مسند احمد (ج۳ ص۱۲۰، ۲۲۲، ۲۴۵) صحیح ابن حبان (ج۷۴۴) الاتقان (ج۲ ص۴۳۷)]

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾[سورة النور:٢٢]

”تم میں سے جو بزرگی اور کشادگی والے ہیں، انہیں اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور مہاجروں کو اللہ کی خاطر نوازنے سے (انکار کی) قسم نہیں کھالینی چاہیے، بلکہ معاف کردینا اور درگزر کرلینا چاہیے۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصور معاف فرمادے؟ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا مہربان ہے۔“

اس آیت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ (کسی سے غلطی ہو جائے) تو معاف کردینا اور درگزر کرلینا چاہیے ہم اللہ کے بندوں سے درگزر کروگے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں تمہاری غلطیوں پر تم سے درگزر کریں گے، چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیات سنیں تو فوراً پکار اٹھے:

((بَلٰى وَاللّٰهِ يَارَبَّنَا! اِنَّا لَنُحِبُّ اَنْ تَغْفِرَلَنَا))

”کیوں نہیں، اے ہمارے رب! ہم تو اسی کے امیدوار ہیں کہ تو ہمیں ضرور معاف فرمادے۔“[1]

چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس قرآنی حکم پر عمل کرتے ہوئے اپنی قسم توڑی اور مسطح کی پھر سے مالی امداد شروع فرمادی۔

۵)..... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عُيَيْنَه بِنْ حِصْن مدینہ تشریف لائے اور اپنے بھتیجے حُرّبِنْ قَيْس بِنْ حِصْن کے ہاں قیام کیا۔ حُرّبِنْ قَيْس (صاحب علم ہونے کی وجہ سے) ان لوگوں میں سے تھے جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی مجلس مشاورت میں شریک کررکھا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس مشاورت میں وہی لوگ شریک تھے جو قرآن مجید کے عالم وفاضل ہوتے، قطع نظر اس سے کہ وہ جوان ہیں یا بوڑھے۔ عیینہ نے اپنے بھتیجے حُرّبِنْ قَيْس سے کہا: بھتیجے! کیا تمہیں امیر المؤمنین کی مجلس میں اتنا اثر ورسوخ حاصل ہے کہ تم میرے لیے ان کے یہاں حاضری کی اجازت لے دو؟ حُرّ نے کہا، میں آپ کے لیے اجازت مانگوں گا۔ پھر انہوں نے عیینہ کے لیے اجازت مانگی اور (اجازت ملنے پر) جب عیینہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس میں پہنچے تو ان سے کہنے لگے: ”اے ابن خطاب! اللہ کی قسم نہ تو آپ ہمیں کھل کر عطا کرتے ہیں اور نہ ہی ہمارے درمیان انصاف

(۱) [صحيح بخاری، كتاب التفسير(باب ۱۱ حدیث۴۷۵۷)]

کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں۔'' یہ بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ غصہ میں آ گئے، یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اسے سزا دینے کا ارادہ کر لیا۔ اتنے میں حُــرّ نے کہا: امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے یہ فرمایا ہے:

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴾[سورة الاعراف:١٩٩]

''آپ معاف کرنے کا طریقہ اختیار کریں، بھلائی کے کام کی تلقین کریں اور جاہلوں سے منہ پھیر لیں۔'' اور یہ شخص جاہلوں میں سے ہے۔ (اس لیے اس سے اعراض فرمائیں)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

((فَوَ اللّٰهِ مَا جَاوَزَهَا عُمَرُ حِيْنَ تَلَاهَا عَلَيْهِ وَكَانَ وَقَّافًا عِنْدَ كِتَابِ اللّٰهِ))

''اللہ کی قسم! جب ان کے سامنے حر نے یہ آیت تلاوت کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہیں رک گئے (اور سزا دینے کا ارادہ فوراً ترک کر دیا) کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عادت یہ تھی کہ وہ اللہ کی کتاب کا حکم سن کر فوراً سرِ خم تسلیم کر لیتے تھے۔''(۱)

قرآن مجید اور اہل ایمان:

قرآن مجید کے ساتھ ایک مومن کا یہی تعلق ہونا چاہیے کہ قرآن مجید کا حکم سنتے ہی اس کا ایمان تازہ ہو جائے، اللہ کے خوف سے اس کا دل دہل جائے اور وہ فوراً کتاب اللہ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے۔ اہل ایمان کا یہی وصف اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا ہے:

(۱) : ﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ إِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴾ [سورة الانفال:٢تا٤]

''بے شک ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر (ان کے سامنے) کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ آیتیں ان کے ایمان کو مزید بڑھا دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں، اور وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے ایمان والے ہیں، ان کے

(۱) [صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ (ح ٧٢٨٦)]

لیے ان کے رب کے ہاں بڑے درجے ہیں اور عزت اور مغفرت کی روزی ہے۔"

(۲): ﴿ وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَن يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ فَأَثَابَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴾

"اور جب وہ رسول کی طرف نازل کردہ (کلام الٰہی) کو سنتے ہیں تو آپ دیکھتے ہیں کہ ان کی آنکھیں آنسو سے بہنے لگتی ہیں، اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔ (اور کلام الٰہی سن کر) وہ کہتے ہیں کہ "اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے پس تو ہم کو بھی ان لوگوں کے ساتھ لکھ لے جو تصدیق کرتے ہیں اور ہمارے پاس کون سا عذر ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور جو حق ہم کو پہنچا ہے، اس پر ایمان نہ لائیں اور ہم اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو نیک لوگوں کی رفاقت میں داخل کردے گا۔" ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی وجہ سے ایسے باغوں سے نوازے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور نیک لوگوں کا یہی بدلہ ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلاتے رہے، وہ لوگ جہنم والے ہیں۔" [سورۃ المائدۃ: ۸۳ تا ۸۵]

(۳): ﴿ اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴾ [سورۃ الزمر: ۲۳]

"اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام (یعنی قرآن پاک) نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی آیتوں والی ہے، جس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں، پھر ان کے جسم اور دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے، جسے چاہے وہ ہدایت سے نوازے اور جسے وہ گمراہ کردے تو پھر اس کو راہ دکھانے والا کوئی نہیں۔"

......☆......

ضمیمہ:

قرآن پر عمل......خواتین کا ایک منفرد تجربہ

آئندہ سطور میں ''قرآن پر عمل'' نامی ایک کتاب [تالیف از: سمیہ رمضان، ترجمہ از قلم: محمد ظہیر الدین] سے چند باتیں پیش کی جارہی ہیں۔ اس کتاب کی مصنفہ نے قرآنی اَحکام پر عمل کے فوائد کو موضوع بحث بنایا ہے اور عملی تجربات کی روشنی میں کئی مثالیں پیش کی ہیں۔ ایسی ہی ایک مثال طلاق کے حوالے سے پیش کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں طلاق کے حوالے سے مرد کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ طلاق دینے کے بعد عدت ختم ہونے تک عورت کو اپنے گھر سے باہر نہ نکالے اور مطلقہ عورت کو بھی یہ حکم دیا گیا کہ وہ عدت اپنے خاوند کے گھر ہی میں گزارے۔ اس قرآنی حکم میں یقیناً کئی حکمتیں کارفرما ہیں، سب سے بڑی یہ حکمت کہ اس طرح میاں بیوی میں رجوع کے بہت سے مواقع باقی رہتے ہیں مگر افسوس کہ قرآنی اَحکام سے بے رغبتی کی وجہ سے ہم اس قرآنی حکم پر عمل نہیں کرتے اور نتیجۃً کئی نقصان اٹھاتے ہیں۔

برصغیر میں تو عام رواج آج تک یہی چلا آرہا ہے کہ طلاق دیتے ہی عورت کو گھر سے نکال دیا جاتا ہے، یا مطلقہ عورت اپنے خاندان والوں کی باتوں کے پیش نظر خود ہی خاوند کے گھر سے نکل جاتی ہے، چنانچہ اس طرح رجوع اور صلح کی بجائے مستقل دشمنی یا گھریلو پریشانیوں اور اُلجھنوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ زیرنظر تحریر میں دو تین مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ پہلی مثال اس قرآنی حکم پر عمل نہ کرنے اور اس کے نتیجے میں گھر اجڑنے کی ہے، باقی مثالیں اس قرآنی حکم پر عمل کرنے اور اس کے نتیجے میں گھر برباد ہونے سے بچاؤ پر روشنی ڈالتی ہیں۔ آیئے اب مصنفہ کی تحریر ملاحظہ فرمائیں۔

''طلاق ایک ایسا خطرناک اور تباہ کن اِقدام ہے جس سے پل بھر میں ہنستا بستا گھر اُجڑ جاتا ہے۔ خوشی و مسرت غمی اور دکھ میں بدل جاتی ہیں۔ طلاق پرسکون مستحکم خاندان کو اُکھیڑ کے رکھ دیتی ہے۔ طلاق معاشرے میں سیاہ دھبے چھوڑ دیتی ہے۔ بیوی کا مستقبل تاریک ہوجاتا ہے۔ بچے الگ حیران و پریشان ہوتے ہیں۔ ماں کے ساتھ رہیں تو باپ کی شفقت و نگرانی سے محروم۔ باپ کے پاس رہیں تو ماں کی مامتا اور مہربانی سے محروم۔ خاوند الگ پریشان اور مخبوط الحواس ہوجاتا ہے۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آتا کہ وہ کیا کرے۔ وہ

اس پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے اور اسی ادھیڑ بن میں رہتا ہے کہ نئی شادی کر لے یا کچھ عرصہ کے لیے رک جائے؟ بہت سے باپ اپنی اولاد کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور انہیں یوں بھول جاتے ہیں جیسے ان کے بچے تھے ہی نہیں۔

مشکلات کا ایک ایسا چکر چل پڑتا ہے جو ختم ہونے میں نہیں آتا۔ یہ مشکلات دنوں اور مہینوں میں ختم نہیں ہو جاتیں بلکہ سالہا سال تک رہتی ہیں۔ معاشرے کو طلاق کی وجہ سے کئی مشکلات سے واسطہ پڑتا ہے۔ گھر نحوست کدے بن جاتے ہیں اور عدالتوں میں معاشرے کی معزز خواتین و حضرات ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ گھروں کی پردے کی باتیں عدالتوں میں بر سر عام بیان ہوتی ہیں تو رسوائی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ خود میاں بیوی ہر سننے اور دیکھنے والے کے لیے اپنے راز بیان کرتے ہیں۔ بچوں کا اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ وہ ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی دونوں کی شفقت و پیار سے محروم ہو جاتے ہیں۔ نہ باپ سے بات کر سکتے ہیں نہ ماں سے۔ اگر ماں کے پاس رہ رہے ہیں تو وہ انہیں ان کے باپ سے بات تک نہیں کرنے دیتی اور اگر باپ کے پاس رہ رہے ہیں تو وہ انہیں ان کی ماں سے بات کروانے یا ملاقات کا روادار نہیں ہوتا۔ طلاق کے اس بھیانک مسئلے کا حل بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں رکھ دیا ہے۔ مگر افسوس کہ ہم کتاب اللہ کے الفاظ کو پڑھتے اور سنتے ہیں مگر ان پر عمل نہیں کرتے۔

ہم نے مسجد میں ہفتہ وار درسِ قرآن کے دوران اس پیچیدہ اور مشکل مسئلے کا حل نکالنے کی کوشش کی۔ مسجد میں ہم تمام عورتوں نے یہ عہد کر رکھا تھا کہ ہم جس زوال و پستی کا شکار ہیں، اس سے نکلنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک آیاتِ قرآنی کے ذریعہ زوال کے گڑھے سے نکلے۔ چنانچہ اس عہد کو وفا کرنے کے لیے جب اگلے ہفتے کے لیے قرآن کریم کی آیت کا انتخاب کرنے کا مرحلہ آیا تو ہم نے ایک بار پھر یہ کہا کہ قرآن کریم کی آیت پر عمل کرتے ہوئے ہم اپنی خواہش اور اپنے ماحول کی بندشوں اور رسموں کی پروا نہیں کریں گے۔ اس مرتبہ ہم نے اس ارشاد خداوندی کے بارے میں طے کیا:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ﴾[سورۃ الطلاق:۱]

''اے نبی جب تم لوگ عورتوں کو طلاق دو تو انہیں ان کے عدت کے لیے طلاق دیا کرو اور عدت کے زمانے کا ٹھیک ٹھیک شمار کرو اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے۔ (زمانہ عدت میں) نہ تم انہیں ان کے

گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔ الا یہ کہ وہ کسی صریح برائی کی مرتکب ہوں۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں اور جو کوئی اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا، وہ اپنے اوپر خود ظلم کرے گا۔ تم نہیں جانتے شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ (موافقت کی) کوئی صورت پیدا کردے۔''

پہلی مثال:

اس آیت کی تلاوت کے بعد جب اس کی تفسیر بیان ہوئی تاکہ خواتین کو یہ معلوم ہوسکے کہ اس آیت پر کیسے عمل کرنا ہے اور اس آیت میں موجود اللہ کے واضح حکم کو کیسے نافذ کرنا ہے تو درس میں شامل ایک خاتون نے پکار کر کہا: ''ذرا ٹھہریے! آپ لوگ کیا بات کر رہے ہیں؟ کیا اس عورت کے لیے جس کا خاوند اسے طلاق دے دے، ضروری ہے کہ وہ عدت کے عرصے کے دوران اپنے (خاوند کے) گھر میں ہی ٹھہرے۔'' میں نے اس خاتون کو بتایا کہ ہاں، مطلقہ عورت کے لیے خاوند کے اسی گھر میں عدت گزارنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تاکہ اس دوران موافقت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے، میاں بیوی اپنے گھر میں ایک ساتھ رہیں اور اپنے اپنے اہل خاندان کی مداخلت سے محفوظ رہیں تو شاید ان میں سازگاری پیدا ہو جائے اور وہ از سر نو خیر و عافیت کے ساتھ رہنے لگیں۔ بیوی کا گھر سے نکل جانا یا اسے نکال دینا اشتعال کا سبب بنتا ہے جس سے اکثر و بیشتر لوگوں کے دلوں کو تپش و حرارت پہنچتی ہے۔ غصہ، نفرت، اشتعال، مخالفت اور شکوہ و شکایت کا ماحول شیطان کے لیے موسم بہار ہوتا ہے۔ معاملات کی باگ دوڑ شیطان کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے تو علیحدگی اور جدائی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ یوں شیطان کی خوشی کی کوئی حد نہیں رہتی۔

میری یہ وضاحت سن کر سوال کرنے والی خاتون نے بتایا: ''ہائے میری بدبختی و بدنصیبی کہ دین اسلام سے ناواقفیت میرے گھر کے اُجڑنے کا سبب بنی۔ قرآن کریم سے میری لاعلمی نے میرے بچوں کو مجھ سے دور کر دیا۔ میرے خاوند اور میرے درمیان معمولی سا اختلاف ہوا۔ بات بالکل چھوٹی سی تھی۔ اس بات سے میرا خاوند مشتعل نہ ہوتا مگر میں نے بلاوجہ کچھ ایسی باتیں کہہ دیں کہ اس کا غیظ و غضب اپنی انتہا کو جا پہنچا۔ غصے کے سبب میرا شوہر ہوش و حواس میں نہ رہا اور اس نے طلاق کا لفظ بول دیا۔ یہ لفظ سنتے ہی میں نے اپنا سامان باندھا اور گھر سے نکل پڑی۔ دل درد سے لبریز تھا اور آنکھیں آنسوؤں سے۔ میں جونہی اپنے میکے پہنچی تو میری کہانی سن کر میرے میکے کا ہر فرد میرے خاوند سے میری توہین کا بدلہ لینے کے لیے بے تاب تھا۔ میرے خاوند نے مجھے کہلا بھیجا کہ گھر چلی آؤ مگر میں نے اس کی یہ پیشکش حقارت سے ٹھکرا دی۔ یوں میرے نفس نے، میری اَنانیت نے مجھے غور و فکر اور درست فیصلہ کرنے سے محروم کر دیا۔ آپ نے جو آیت

ابھی پڑھی ہے، میں یہ آیت کئی بار پڑھ چکی ہوں مگر افسوس کہ میں نے اسے سمجھنے کی ایک بار بھی کوشش نہ کی۔ مجھے نہ اس کی سمجھ آئی اور نہ میں نے کبھی اسے سمجھنے کی کوشش کی۔ عدت گزرنے کے بعد ہم میاں بیوی میں علیحدگی ہوگئی۔ عدت کے دوران اپنے گھر سے نکلنے کے گناہ کا میں نے ارتکاب کیا۔ میں خاوند سے بھی محروم ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے صاف اور واضح حکم کی مخالفت کا گناہ بھی مول لیا۔"

اس غمزدہ خاتون نے زاروقطار روتے اور آنسو بہاتے ہوئے کہا: "ہائے میری شامت و بدبختی! میں آپ سب سے درخواست کرتی ہوں کہ آپ لوگوں نے کتاب اللہ پر عمل کا جو عہد کیا ہے، اس پر مہربانی فرما کر سختی سے کاربند رہنا۔"

دوسری مثال:

یہ دکھ بھری داستان سن کر ہم نے ایک بار پھر اس آیت کریمہ پر عمل کرنے کے پختہ عہد کی تجدید کی اور پورے عزم کے ساتھ اس راستے پر گامزن رہنے کا عہد کیا۔ کچھ عرصہ بعد ہم نے درس میں شریک ہونے والی بہنوں سے طلاق کے بارے میں اس ارشادِ ربانی پر عمل کے تجربات سننے کا ارادہ کیا۔ تو ایک بہن نے کہا:

"جب سے میں نے مولیٰ کریم کے ساتھ یہ عہد کیا تھا کہ میرے قول و فعل پر آیت کریمہ ہی کی حکمرانی ہوگی تو میں ہمیشہ یہ دعا کرتی رہتی تھی کہ جب حقیقی عمل کا موقعہ آئے تو اللہ مجھے استقامت دینا تاکہ میں عملاً قرآن کے مطابق اقدام کروں۔ میرا خاوند جذباتی آدمی ہے، اکثر غصے میں آ کر اول فول بکنے لگتا ہے۔ قرآنی آیت پر عمل درآمد کے دور سے پہلے تو میں بھی مشتعل ہو جاتی اور اسے ترکی بہ ترکی جواب دیتی۔ ہم میاں بیوی کی یہ حالت دیکھ کر ہمارا چھوٹا سا بچہ ہمیں دیکھتا، چپ چاپ رہتا، صدمے سے کچھ نہ بولتا تھا۔ ہم میاں بیوی اس کیفیت میں ایک دوسرے کی بات قطعاً نہ سنتے اور ہر کوئی اپنی بات پر اصرار کرتا۔

یہ منظر اب پھر سامنے آیا لیکن اب میرے دل کی کیفیت بدل چکی تھی، میں نے اللہ سے لو لگائی رکھی اور قرآن کریم کی آیات پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ آج میری پوری کوشش یہ تھی کہ میں خاوند کو مشتعل نہ کروں۔ مجھ پر بے چینی و بے قراری کی ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ میں چاہتی تھی کہ گھر سے نکل کر اپنے گھر کے قریب مسجد میں چلی جاؤں، مسجد ہی کو میں اپنی پناہ گاہ اور سکون و قرار کی جگہ سمجھتی تھی۔ کبھی یہ خیال آتا کہ اپنی کسی مسلمان بہن کے پاس چلی جاؤں تاکہ وہ ہمدردی کے چند بول بول کر مجھے تسلی دے اور میری ڈھارس بندھائے اور یوں میرے دل کو سکون و ٹھنڈک نصیب ہو۔ میری حالت تو یہ تھی ادھر میرا خاوند آپے سے باہر ہو رہا تھا، غصے کے مارے اس کا برا حال تھا، اس کی غضب آلود باتوں سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ

مجھے طلاق دینے کے بارے میں سوچ رہا ہے۔

کئی بار خاوند کو جواب دینے کا شیطانی خیال دل میں آیا مگر میں نے ہر بار اپنے اوپر قابو پا لیا۔ میں نے اللہ کا ذکر اور اس کی تسبیح و تقدیس شروع کر دی۔ میں ساتھ ساتھ یہ بھی سوچتی رہی کہ اگر خدانخواستہ میرے خاوند نے طلاق کا لفظ منہ سے نکال ہی دیا تو پھر مجھے خاوند کے گھر میں یہیں رہنا ہوگا۔ میں تو چاہتی ہوں کہ مسجد میں جاؤں وہاں ہفتہ وار درس قرآن سنوں، لیکن طلاق کے بعد عدت کے دوران تو میں گھر سے باہر نہ نکل سکوں گی اور درس قرآن کی مجلس سے بھی محروم ہو جاؤں گی۔ یہ خیال میرے لیے سوہان روح بن رہا تھا۔ اللہ کے گھر میں جا کر تو ہم پاکیزہ فضاؤں میں قرآن مجید کی آیات سمجھتی ہیں اور پھر ان پر عمل کا اقرار کر کے وہاں سے باہر نکلتی ہیں۔ میرے لیے عدت گزارنے کے لیے اپنے خاوند کے گھر میں یوں پابند ہو کر رہنا کہ درس قرآن سننے کے لیے مسجد میں بھی نہ جا سکوں، بے چینی کا سبب بن رہا تھا۔ درس قرآن کے حلقے نے تو میری زندگی کو ایسی تابندگی بخشی تھی جس کا میں اس سے پہلے تصور و احساس بھی نہ کر سکتی تھی۔ میں کثرت سے قرآن پڑھا کرتی تھی مگر اللہ کا کلام میرے گلے سے نیچے نہیں اترتا تھا۔ میں تصورات کی دنیا سے باہر نکلی تو کیا دیکھتی ہوں کہ میرے بچے نے اپنے باپ پر نظریں گاڑ رکھی ہیں، گویا زبانِ حال سے اسے کہہ رہا ہے کہ وہ بھی امی کی طرح خاموش ہو جائے۔ میں نے بچے کو اپنی گود میں لے لیا اور اللہ سے دعا کرنے لگی کہ وہ خاوند کو پرسکون کر دے۔

آہستہ آہستہ میرے شوہر کے غصے کا پارہ نیچے اترنے لگا اور وہ خاموشی سے اپنے کام کرنے لگا۔ پھر بیٹھ کر استغفار پڑھنے لگا جب کہ میں اپنی جگہ سے نہ ہٹی۔ تسبیح و ذکر میں مشغول رہی اور اللہ سے دعا کرتی رہی۔ بعد میں جب گھر میں محبت و سکون کا دور دورہ ہو گیا اور غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو میرے خاوند نے کہا: ''میں بہت معذرت خواہ ہوں، مجھے برابر اس بات کا اندیشہ رہا کہ تم میری باتوں کا حسبِ عادت تابڑتوڑ جواب دو گی۔ آج طلاق کا لفظ میرے ہونٹوں کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ میں حیران ہوں کہ آج تم نے طلاق کا مطالبہ نہیں کیا۔ پہلے تم کہتی تھیں کہ مجھے طلاق دے دو مگر میں نہیں دیتا تھا۔ آج میں نے سوچ رکھا تھا کہ تمہاری طرف سے طلاق کا مطالبہ ہوتے ہی میں تڑاق سے طلاق دے دوں گا۔ تم نے آج حسبِ معمول طلاق کا مطالبہ کیوں نہیں کیا؟''

میں نے جواب دیا: ''میرے رب نے مجھے اپنی کتاب کے ذریعے اور اپنے احکام کے ذریعے اَدب سکھا دیا ہے۔ میں پہلے سوچا کرتی تھی کہ طلاق سے مجھے آزادی مل جائے گی مگر میری سوچ اللہ کی کتاب کی

عملی تعبیر سے یکسر متصادم تھی۔''

اس بہن نے اپنی یہ داستان سنا کر ہمیں بتایا: ''اس دن کے بعد سے اب تک ہم گھر میں خوش وخرم پیار ومحبت سے رہ رہے ہیں۔ ایسا اتفاق امن وسلامتی اور سکون واطمینان ہمیں اس سے پہلے کبھی نصیب نہیں ہوا تھا۔ شکر ہے کہ میری زبان اس دن قرآن کی برکت سے بند رہی اور میں نے کہیں خاوند سے یہ نہیں کہہ دیا کہ مجھے طلاق دے دو۔ پہلے مجھے شیطان طلاق کو خوش نما بنا کر پیش کرتا تھا۔ وہ اسے میری آزادی قرار دیتا تھا جب کہ فی الحقیقت طلاق تو پابندی ہے۔ اس واقعے کے بعد میرے خاوند میں بھی کافی تبدیلی آ چکی ہے۔ اس کا رویہ بہت کچھ بدل گیا ہے۔ اس نے اپنے غیظ وغضب اور نفرت وعناد پر قابو پالیا ہے کیونکہ میرے پرسکون ردِعمل پر اسے کافی کچھ معذرت کرنا پڑتی تھی۔ میں جتنا بھی اللہ کا شکر ادا کروں کم ہے کہ اس نے میرے لیے قرآن سمجھنے کا کام آسان کر دیا۔ اسی نے ہمیں قرآن کے مطابق رویے اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ شکر گزاری بھی اسی مہربان کی توفیق سے ممکن ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس کی کتاب قرآن مجید کی ایک آیت پر عمل کرنے کی برکت سے میرا گھر بربادی سے بچ گیا۔''

تیسری مثال:

جب یہ بہن اپنا واقعہ سنا چکی تو حلقۂ درس میں موجود خواتین میں سے ایک خاتون نے بات کرنے کے لیے اپنا سر اٹھایا لیکن پھر شرما کر جلدی سے نیچے کر لیا۔ تھوڑی دیر تک وہ اس کشمکش میں مبتلا رہی پھر ہمت کی اور بات کرنے کی اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے کے بعد اس نے بتایا کہ:

''میرا خاوند دل کا اچھا ہے مگر ہے غصے والا، اپنے فیصلوں میں جلد باز اور عجلت پسند۔ مجھے بھی اس سے کچھ کچھ نفرت تھی۔ اگر وہ میرے خلاف ایک بات کرتا تو میں اس کے خلاف دس باتیں کرتی۔ میں اس کو ہر کام پر ٹوک دیتی اور اسے شدید تنقید کا نشانہ بناتی۔ وہ اگر مجھے کوئی کام کرنے کے لیے کہتا تو میرے ردِعمل کے بعد اسے یوں محسوس ہوتا جیسے اس کا واسطہ کسی چٹان سے پڑا ہے۔ ایک روز ہمارے درمیان تلخ کلامی نے شدت اختیار کی۔ بک بک اور جھک جھک کے ایک ایسے ہی دورے کے بعد اس نے مجھے آواز دی۔ میں سمجھی کہ شاید میرے ساتھ صلح صفائی کرنا چاہتا ہے، میں نے اس کی طرف توجہ کی تو میرا نام لے کر کہنے لگا: ''تمہیں طلاق ہے۔'' میں نے کہا تم کیا کہہ رہے ہو؟ میرے بچوں کا کیا بنے گا؟ میرے پانچ بچے ہیں۔ ان کا انجام کیا ہوگا؟ طلاق کا لفظ تم نے کتنی آسانی سے کہہ دیا ہے۔ میری ان باتوں کا اس پر بالکل اثر نہیں ہو رہا تھا۔ گویا میرا چیخنا چلانا بے سود اور فضول تھا۔ میں جلدی سے اپنے کمرے کی طرف لپکی اور انتہائی غصے

کی حالت میں اپنے سوٹ کیس میں خاص خاص کپڑے رکھنے لگی۔ اس دوران بچے رو رہے تھے، چلا رہے تھے، ان کے رونے کی آواز سن کر سنگ دل سے سنگ دل شخص کا دل بھی پسیج جاتا، میں نے اپنا سوٹ کیس بند کیا تو اس کے ساتھ ہی اس ظالم شخص کی طرف سے اپنے دل کو بھی بند کر لیا۔

جونہی میں نے گھر سے نکلنے کا ارادہ کیا تو مجھے اللہ تعالیٰ کے اس حکم نے گھر سے باہر جانے سے روک دیا: ﴿وَلَا يَخْرُجْنَ﴾ ''اور نہ وہ خود نکلیں''۔ میں دروازہ بند کر کے کمرے میں بیٹھ گئی اور سوچنے لگی یا اللہ! اب میں کیا کروں؟ میں مسلسل رو رہی تھی، میرے پاس میرے بچے بیٹھ کر مجھے تسلی دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ میرے آنسو پونچھ رہے تھے۔ جب مجھے قدرے سکون ہو گیا تو خاوند کمرے کے دروازے کے پاس آ کر کہنے لگا: ''تم گئی کیوں نہیں؟ کیا میں نے تمہیں طلاق نہیں دے دی؟ میں نے اس سے بڑے انکسار سے کہا: ''ایک بہت بڑی چیز مجھے جانے سے روک رہی ہے؟'' اس نے تمسخر کرتے ہوئے کہا: ''یہ بہت بڑی چیز کیا ہے؟'' میں نے کہا: ''اللہ......!''

اللہ نے اپنی ایک آیت کے ذریعے مجھے جانے سے روک رکھا ہے؟ خاوند بولا: ''اب تم قرآن کی بات کر رہی ہو اور پہلے جب تم میری حکم عدولی کرتی تھیں اور میرے حقوق کو نظر انداز کرتی تھی تو اس وقت تمہیں قرآن یاد نہیں آتا تھا؟ اب تم ایک طلاق یافتہ عورت ہو اور تمہیں یہاں رہنے کا کوئی حق نہیں۔''

میں نے جواب دیا: ''یہ تو آپ کہہ رہے ہیں اور اس گھر کا مالکِ حقیقی کچھ اور کہہ رہا ہے۔ وہ تو طلاق دینے والے مردوں سے مخاطب ہو کر فرما رہا ہے: ﴿لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ﴾ [الطلاق: ١]

''نہ تم انہیں ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ خود نکلیں''۔

اللہ کا یہ حکم مجھ پر بھی نافذ ہے اور آپ پر بھی۔ میرے لیے اتنی سزا کافی ہے جو میں نے قرآن کے مطابق نہ چل کر پالی ہے۔''

جب میرے خاوند نے دیکھا کہ میں یہاں ہی رہنے پر بضد ہوں تو اس نے بھی اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور مجھ سے رجوع (صلح و تصفیہ) کر لیا۔ میری عزیز بہنو! اب میں اپنے گھر میں اپنے بچوں کے ساتھ رہنے پر بہت خوش ہوں۔ میرے مشکل دن گزر گئے ہیں۔ میری اب یہی کوشش ہوتی ہے کہ ہر ممکن طرح اپنے خاوند کو خوش کروں اور اس کے کھانے پینے، لباس اور راحت و آرام کا خیال رکھوں۔ مجھے افسوس ہے کہ پہلے میرا طرزِ عمل درست نہیں تھا۔ مجھے اپنے سابقہ رویہ پر سخت ندامت ہے۔ میں اس قصور و کوتاہی کی تلافی کے لیے خاوند کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرتی ہوں۔ نوافل، ذکر، استغفار بھی

کرتی ہوں۔ میں دعا کیا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اب اتنی فرصت دے کہ میں اپنی خدمت ومحبت سے اپنے خاوند کا دل جیت لوں۔ وہ فی الحقیقت ایک اچھا آدمی ہے۔ وہ چاہتا تھا کہ میں اس کی شرافت کو اس کی کمزوری نہ سمجھوں۔

طلاق کے بعد دوران عدت اپنے خاوند کے ساتھ رہنے کے قرآنی حکم پر عمل کرنے کا خوشگوار نتیجہ یہ نکلا کہ میرے خاوند نے میرے ساتھ بول چال شروع کر دی۔ آہستہ آہستہ ہم دونوں ایک دوسرے کے قریب آنے لگے اور ایک دوسرے کو خوش رکھنے کی کوشش کرنے لگے۔ ایک ہی ماہ بعد میرا گھر سکون اور محبت و پیار کا گہوارہ بن گیا۔ میرے خاوند نے طلاق سے رجوع کر لیا تھا۔ اس کے اس اقدام نے میری مسرتوں میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ میری دعائیں رنگ لائیں اور قرآن کی برکت سے میری زندگی، میرا گھر، میرے بچے اور میرا خاندان ایک بہت بڑے معاشرتی المیے سے بچ گئے۔ میرے بچے بھٹکنے اور نفسیاتی مریض بننے سے بچ گئے۔ میں بے حد خوش وخرم ہوں اور کہتی ہوں کہ میرے سچے رب نے بالکل درست فرمایا تھا۔

میں اپنی بہنوں سے درخواست کرتی ہوں کہ اگر کسی بہن کو خدانخواستہ ایسی صورت حال سے دوچار ہونا پڑے تو وہ گھر سے نہ نکلے۔ اپنی نفسانیت واَنانیت کو ترجیح نہ دے بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حکیمانہ حکم کو ترجیح دے، کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ عورتوں کو ایسے مواقع پر اپنی ''عزت'' کا بھرم رکھنے کے لیے نہیں سوچنا چاہیے بلکہ اللہ کے حکم کی تعمیل ہی کو عزت سمجھنا چاہیے۔ اللہ کے حکم کی نافرمانی کر کے خود ہی اپنے گھر کو برباد کر لینا کہاں کی دانش مندی ہے۔''

یہ تھا اس متاثرہ خاتون کا واقعہ۔ میں نے یہ سن کر بارگاہ الٰہی میں سجدہ شکر ادا کیا۔ کیا عظمت ہے آیات قرآنی کی۔ ہم نے جب اپنے ہفتہ وار درس قرآن میں یہ تجربات سنے دیکھے تو اللہ حکیم کی حکمت اور اللہ علیم کے علم پر ہمارے ایمان میں اضافہ ہوا۔ اللہ سبحانہ تنہا اس بات پر قادر ہے کہ وہ ہماری جہالت اور ناسمجھی سے جنم لینے والے تمام مسائل حل کر دے۔ اللہ کی مضبوط رسی ہمیں جہالت کی تاریکیوں سے علم ودانش کی روشنی میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم آیاتِ قرآنی کے مطابق چلیں اور ہمارا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ہو۔

......☆......
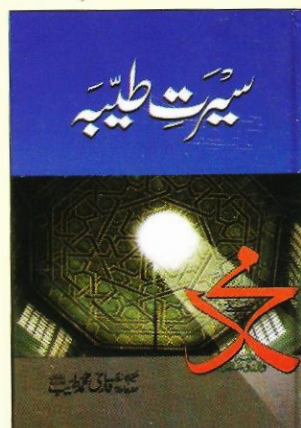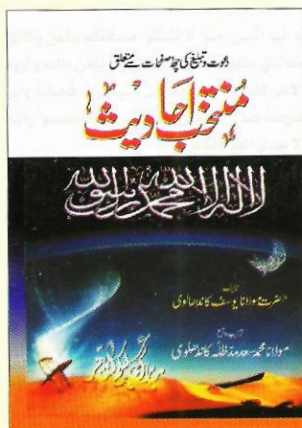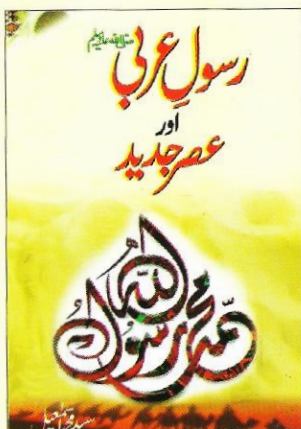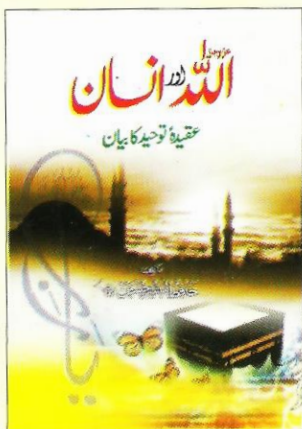
Rs.70/-

Areeb Publications

1542, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2

Ph: 23282550 Email: apd@bol.net.in